محمد ناظم

اورنگ زیب

اور

تدوین فتاویٰ عالمگیریؒ

تالیف

مولانا محمدؒ صدر الحسن ندوی

اسلامی اکیڈمی برائے تحقیقات ونشریات

پوسٹ بکس نمبر ۹۵۔ اورنگ آباد

اورنگ زیب

اور

تدوین فتاوی عالمگیری

تالیف

مولانا محمد صدر الحسن ندوی
استاذ جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد

افادیت کے پیش نظر معتمد دینیات جناب بارق پرتوری نے اس کتاب کو دینیات کے درجہ علیا کے نصاب میں شامل فرمایا ہے

سلسلہ مطبوعات ۲

مطبوعات اسلامی اکیڈمی

ناشر :-

اسلامی اکیڈمی برائے تحقیقات و نشریات اسلام
پوسٹ بکس ۹۵ اورنگ آباد ۴۳۱۰۰۱ مہاراشٹر

سال اشاعت ۱۹۸۸ء
مطبوعہ (یونیورسل پریس اورنگ آباد)
کتابت محمد نظام الدین ملّی
قیمت Rs 12.00

ملنے کے پتے

- اسلامی اکیڈمی برائے تحقیقات و نشریات پوسٹ بکس ۹۵ اورنگ آباد مہاراشٹر
- مکتبہ جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم پوسٹ بکس ۹۱ جامع مسجد اورنگ آباد
- عنبر بکڈپو حضرت نظام الدین اولیاء روڈ شاہ گنج اورنگ آباد
- مکتبہ اسلامی روبرو حضرت نبے میاں درگاہ شاہ گنج اورنگ آباد
- مکتبہ عزیزیہ روبرو نورانی مسجد مالیگاؤں (ناسک) مہاراشٹر

فہرست مضامین

اورنگ زیب اور تدوین فتاویٰ عالمگیری

مقدمہ

مولانا محمد ریاض الدین فاروقی ندوی
ناظم جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد

شہر اورنگ آباد کو اللہ تعالیٰ نے اخیر عہد مغلیہ کی مرکزیت عطا فرمائی تھی خصوصاً حضرت اورنگ زیب کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد ان کی زیادہ تر توجہ دکن کی طرف رہی۔ اپنے عہد صوبیداری میں موصوف نے اس شہر ہی کو اپنا پایۂ تخت بنایا اور دکن کی تمام مہمات کی یہیں سے نگرانی کرتے رہے۔

حضرت اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے جامعیت عطا فرمائی تھی۔ اس عظیم مملکت کی سربراہی کے ساتھ انہیں تفقہ فی الدین کا حصہ وافر ملا تھا۔ انھیں اپنے صوبیداری کے زمانے میں ہی یہ خیال پیدا ہوا کہ فقہ اسلامی کی تدوین جدید ہونی چاہئے۔ تاکہ جزئیات اور فروعات میں اسلامی احکامات کی پوری پوری روشنی حاصل ہو۔ اس خیال کے پیش نظر فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کا انھوں نے ایک جامع منصوبہ تیار فرمایا اور اس کے لئے اپنے زمانے کے ماہر اور فقیہہ علماء کرام پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا۔

یہ سب کام انھوں نے اپنے قیام اورنگ آباد کے زمانہ میں کیا۔ لیکن بدقسمتی سے ان تمام کوششوں کا جائزہ ابھی تک نہیں لیا گیا۔ ہماری جامعہ کے استاذ محترم مولانا محمد صدر الحسن صاحب ندوی کو اللہ تعالیٰ نے اس کی سعادت

بخشی کہ پیش نظر کتاب " میں مولانا موصوف نے ان تمام سرگرمیوں کا تفصیل سے علمی جائزہ لیا ہے ۔ اس کتاب میں علماء کرام کے نام اور مختصر حالات اور شہر اورنگ آباد کی اس زمانے میں علمی اور دینی سرگرمیوں میں مرکزی حیثیت بھی ابھر کر آگئی ہے ۔

اللہ تعالی مولانا محترم کو ہم سب کی جانب سے اس علمی کاوش کی بہترین جزا و اجر عطا فرمائے اور علوم اسلامی کے شائقین کے لئے اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ مفید بنائے (آمین)

(مولانا) محمد ریاض الدین فاروقی ندوی
ناظم جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد

پیش لفظ

از: ڈاکٹر عصمت جاوید سابق پرنسپل
سوشل ایسوسی ایشن کالج شولاپور

زیر نظر کتاب "اورنگ زیب اور تدوین فتاویٰ عالمگیری" مولانا محمد صدر الحسن ندوی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ مولانائے موصوف کا نام اب علمی و دینی حلقوں میں نیا نہیں رہا۔ وہ اپنی تصنیف "خود پرستی یا خدا پرستی" کے ذریعہ اچھی طرح جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب مراٹھواڑہ میں دینیات کے نصاب میں داخل ہے۔ ویسے مولانا کا تعلق ریاست بہار سے ہے لیکن اب وہ اورنگ آبادی بن گئے ہیں اور آج کل مراٹھواڑہ کی مایہ ناز دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد میں معلمی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مولانا عربی میں بھی لکھتے ہیں اور اردو میں بھی۔ ان کی عربی تصنیف اَلْاِسْلَامُ وَالْمُسْتَشْرِقُوْنَ۔ مکتبہ عالم المعرفہ جدہ سعودی عرب سے شائع ہو چکی ہے۔ ان کے اردو مضامین تعمیر حیات لکھنؤ، فاران کراچی اور معارف اعظم گڈھ میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں اور عربی مضامین الرائد" اور البعث الاسلامی لکھنؤ میں چھپتے رہتے ہیں۔ مولانا نے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے افتاء و فضیلت کی سندیں حاصل کیں۔ اس کے بعد اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ سے فضیلت کی ڈگری کے ساتھ ساتھ قضاء و دعوت کا کورس بھی کیا۔ مجھے بھی مولانا سے نیاز حاصل ہے علم و فضیلت سے قطع نظر ان کی نرم گفتاری اور شیریں زبانی سے کافی متاثر ہوں۔ انھیں دیکھ کر

مجھے اکبر الٰہ آبادی کا یہ شعر اکثر یاد آتا ہے ؎

بنو گے خسروِ اقلیمِ دل شیریں بیاں ہو کر
جہانگیری کرے گی یہ ادا نورِ جہاں ہو کر

لیکن مولانا کو اپنے مزاج و منہاج کے اعتبار سے خسرو شیریں اور جہانگیر و نورجہاں کے مقابلہ میں اورنگ زیب عالمگیر سے زیادہ دلچسپی رہی ہے۔ اس کا ثبوت زیرِ نظر تالیف ہے جس کا موضوع "فتاویٰ عالمگیری" ہے۔

فتاویٰ عالمگیری کا نام تو بہتوں نے سنا ہوگا لیکن ایسے کتنے لوگ ہیں جو اس قابلِ فخر تالیف کے بارے میں تفصیلی علم رکھتے ہیں۔ یہ فتوے کن کن مسائل سے متعلق ہیں۔ افتاء صادر کرنے والے فقہاء کس مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ ان فتاویٰ کی تدوین میں کن کن علماء نے عرق ریزی اور جگر کاوی سے کام لیا ہے۔ کیا فتاویٰ عالمگیری کے علاوہ بھی فتووں کے دیگر مجموعے ہندوستان میں شائع ہوئے ہیں۔ اگر ہوئے ہیں تو ہندوستان میں ان کی تدوین کی تاریخ کیا ہے۔ اگر ہندوستان میں فتووں کے مجموعے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں تو فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس مجموعے کی امتیازی خصوصیات کیا ہیں۔ ان فتووں کا عالمگیر سے کیا تعلق ہے۔ کیا یہ وہ شرعی فیصلے ہیں جو مختلف مقدمات کے سلسلہ میں خود عالمگیر نے دیئے یا اس مجموعے کو عالمگیر سے صرف اس لئے نسبت دی گئی ہے کہ اسکی تدوین اس بادشاہ کے عہد میں اس کے حکم سے عمل میں آئی۔ غرض اس تالیف سے جڑے ہوئے یہ اور ایسے کئی سوالات ہیں جن کے جوابات سے عوام الناس تو کیا بہت سے پڑھے لکھے حضرات بھی واقف نہیں ہوں گے۔ مولانا محمد صدر الحسن ندوی صاحب لائق مبارکباد ہیں کہ انھوں نے فتاویٰ عالمگیری سے متعلق تمام اہم اور ضروری معلومات اہلِ اردو کی خدمت میں پیش کر دی ہیں۔ مختلف مخطوطات اور رسائل میں بکھرے ہوئے عناصر کو یکجا کر کے

انھیں مربوط نامیاتی اکائی میں پیش کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں بالخصوص اس صورت میں جب اصل کارنامہ عربی میں ہو واقفیت اور محققانہ نظر درکار ہے اور عربی زبان کا علم بھی ضروری کیا ہے۔ اس کام سے ایسا شخص ہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے جو ان تمام اوصاف سے متصف ہو جو مولانا میں پائی جاتی ہیں۔ اس کتاب کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ مولانا نے فتاویٰ عالمگیری سے متعلق جو اہم معلومات فراہم کی ہیں انہیں منطقی ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انھوں نے کتاب ہذا کو واقعات کی کھتونی نہیں بننے دیا ہے۔ بلکہ انتہائی جامعیت، اختصار اور حسن ترتیب کے ساتھ اہم اور کارآمد عناصر کی تشکیل کی ہے۔

چنانچہ کتاب ہذا کی ابتداء میں اورنگ زیب عالمگیر کے حالات زندگی کے اہم اور قابل ذکر واقعات انتہائی قرینے اور سلیقے سے پیش کئے گئے ہیں جن میں اس جلیل القدر بادشاہ کی دینی خدمات کو بطور خاص اہمیت دی گئی ہے۔ باب دوم میں ہندوستان میں تدوین فتاویٰ کی مختصر تاریخ پیش کی گئی ہے۔ اس کے بعد فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ پھر زمانہ تدوین، مصارف تدوین اور اورنگ زیب کی اس کام میں عملی دلچسپی کا ذکر کرنے کے بعد آٹھ سال کی محنت شاقہ اور دیدہ ریزی کے بعد مدون کئے ہوئے اس مجموعے کی جو بقول مولانا ئے موصوف تین ہزار دو سو سترہ صفحات اور چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ ان تفصیلات میں اس مجموعے کے ہر حصے کے مشتملات مع عنوانات بحوالہ صفحات شامل ہیں۔ اس کے بعد مولانا نے فتاویٰ عالمگیری کی تیرہ امتیازی خصوصیات بھی بیان کی ہیں۔ اس مایہ ناز تالیف کے جو تراجم فارسی، اردو اور انگریزی میں اب تک ہوئے ہیں ان کا ذکر بھی علیحدہ سے کر دیا گیا ہے۔

کتاب ہذا کا آخری حصہ فتاویٰ عالمگیری کے مدونین کے حالات زندگی اور ان کی علمی و دینی خدمات کے تذکرہ کیلئے وقف ہے۔ تاج محل کی عدیم المثال خوبصورتی اور شاہ جہاں کے ذوق تعمیر کا تو ایک عالم مداح ہے لیکن تاج محل کی تعمیر میں جن

صناعوں کی زبان، اور جن کاریگروں کا خون پسینہ صرف ہوا ہے ان کو کوئی نہیں جانتا اور نہ جاننے کی ضرورت بھی محسوس کرتا ہے۔ حالانکہ ان گمنام صناعوں اور کاریگروں کے تعاون کے بغیر فن تعمیر کا یہ شاہکار عالم وجود میں نہ آتا۔ مولانا لائق مبارکباد ہیں کہ انھوں نے تاریخ عالمگیری تک کے گمنام مدونین کا سراغ لگا کر انھیں بھی گوشہ گمنامی سے نکالا ہے اور ان کے ناموں اور کاموں کو دستبرد زمانہ سے محفوظ کر دیا ہے۔ کتاب کے اس آخری لیکن اہم حصے کے مطالعہ سے مولانا محمد صدر الحسن صاحب ندوی کی محققانہ کاوش، ان کے ذوق تجسس اور ان کی تحقیقی لگن کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں اورنگ زیب کی شخصیت کو جان بوجھ کر متنازعہ فیہ بنا دیا گیا ہے۔ اس حق پرست بادشاہ کو بدنام کرنے میں دشمنان حق نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ اور الزام تراشیوں، بہتان طرازیوں، کذب بیانیوں اور دروغ بافیوں کا وہ طومار باندھا ہے کہ تاریخ میں اس کی مثال مشکل ہی سے ملیگی۔

مولانا شبلی نے "اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر" نامی کتاب لکھ کر اس حق پرست متدین اور علم دوست بادشاہ پر لگائے ہوئے الزامات کا مدلل اور مسکت جواب تاریخی شواہد کے حوالے سے دیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ متعصب نقد جو اور سیاہ دل مورخین کی دل کی سیاہی جب قلم سے ٹپکتی ہے تو کس طرح خرد کا جنوں نام پڑ جاتا ہے اور جنوں کا خرد۔ مولانا شبلی نے مذکورہ کتاب کی ابتدا ہی ان الفاظ سے کی ہے۔

"فلسفہ تاریخ کا ایک راز ہے کہ جو واقعات جس قدر زیادہ شہرت پکڑ جاتے ہیں اسی قدر ان کی صحت زیادہ مشتبہ ہو جاتی ہے۔ دیوار قہقہہ، چاہ بابل، آب حیواں، مار ضحاک اور ساغر جم سے بڑھ کر (کیا) کسی واقعہ نے شہرت عام کی سند حاصل کی۔ لیکن کیا ان میں سے ایک بھی اصلیت سے کچھ علاقہ رکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اکثر واقعات کسی خاص وقتی سبب سے شہرت
کے منظر پر آجاتے ہیں پھر عام تقلید کے اثر سے جو خاصہ انسانی ہے
شہرت عام کی بنا پر لوگ اس پر یقین کر جاتے ہیں اور کسی کو تنقید
یا تحقیق کا خیال تک نہیں آتا۔ یہاں تک کہ وہ مسلّمات عامہ میں داخل
ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی نسبت کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے
کا حکم کسی بد نیت عیسائی نے گھڑ کر منسوب کیا۔

عالمگیر کی بدنامی کا قصہ بھی واقعۂ مذکورہ سے کچھ کم نہیں
اس کی فرد قرارداد جرم اتنی لمبی ہے کہ شاید کسی مجرم کی نہ ہو گی۔ باپ
کو قید کیا۔ بھائیوں کو قتل کرایا۔ دکن کی اسلامی ریاستیں مٹادیں۔ ہندوؤں
کو ستایا۔ بتخانے ڈھائے۔ مرہٹوں کو چھیڑ کر تیموری سلطنت
کے ارکان متزلزل کر دیئے ؎

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری "

شبلی نے یہ باتیں اپنے انداز میں لکھیں۔ اب دیکھئے ان بے جا الزامات
کے پیش نظر مولانا محمد الحسن صاحب ندوی اپنے انداز میں کیا فرماتے ہیں۔

" اگر اورنگ زیب عالمگیر کو حیات نو بخشی جائے اور اس کے سامنے
افترات و اتہامات کے گرانبار و خود ساختہ تاریخی حقائق کے پشتارے
پیش کئے جائیں تو شاید اپنے دلی کرب و الم اور قلبی حزن و ملال کے
اظہار کے لئے اس شعر کا سہارا لے ؎

بہ من چنداں گنہ از بدگمانی می کند نسبت
کہ من ہم در گماں افتادہ پندارم گنہگارم

اس اقتباس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مولانا محمد الحسن ندوی صاحب

میں ایک صاحب طرز انشاء پرداز بننے کی کتنی صلاحیت ہے۔ کتاب ہذا میں انھوں نے سادہ و پرکار اسلوب اختیار کیا ہے۔ کیونکہ موضوع اس اسلوب کا متقاضی تھا۔ اگر مولانا کا انشاء پردازانہ اسلوب دیکھنا ہو تو ان کی پہلی مطبوعہ اردو تصنیف خود پرستی یا خدا پرستی ملاحظہ کیجئے۔

شاید ان تحریروں میں آپ کو کہیں مولانا ابوالکلام آزاد تو کہیں عبدالماجد دریابادی جھانکتے ہوئے نظر آئیں۔ بہر حال ہمیں مولانا سے بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ امید ہے کہ مولانا کی یہ تازہ ترین کاوش "اورنگ زیب اور تدوین فتاویٰ عالمگیری" علمی و دینی حلقوں میں مقبول ہوگی اور مولانا تازہ دم ہو کر اپنے تصنیفی سفر پر یہ کہتے ہوئے گامزن ہو جائیں گے ؎

کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیئے

عصمت جاوید

۲۱ جنوری ۱۹۸۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ ایک دستاویز ہے اس میں اقوام و ملل کے عروج و زوال کی داستانیں بھی ہیں اور حکمرانوں و بادشاہوں کے کارناموں کے تذکرے بھی تہذیب و تمدن کے آثار بھی ہیں اور علوم و فنون کے ذخائر بھی تغیر و انقلاب کے ادوار بھی ہیں اور جاہ و جلال کے مناظر بھی۔ غرض تاریخ ایک آئینہ ہے جس میں ہر عکس نظر آتا ہے۔

سرزمین ہند کا وہ سنہری دور جہاں مسلم سلاطین تقریباً ۸ صدیوں تک حکمراں رہے ہے اور جنھوں نے وقت اور حالات کے پیش نظر دینی، سیاسی، سماجی کارنامے انجام دیئے ان میں ایک متواضع حکمراں جنہیں ہم اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتے ہیں رہا ہے جو ایک انصاف پسند، مصلح جو، نیک طینت و علم دوست حکمراں ہے۔ اعلیٰ اقدار کا حامل، علماء کی صحبت سے فیضیاب ہونے والے بادشاہ کو اگر لعن طعن سے مجروح کیا جائے، اسپر سب و شتم کی بارش کی جائے اور نت نئے الزامات سے اس کو گراں بار کیا جائے تو یہ سب اسکی قدر و منزلت اور عظمت شان میں اضافہ کرتے ہیں۔ شیوۂ دشمناں یہ ہے کہ وہ قوم کے معمار اور لائق فرزند کو بگاڑ اور نالائق گردانتے ہیں۔ اورنگ زیب کے حالات، علماء سے تعلق، دین سے ربط، قرآن سے شغف، فتاویٰ کے سلسلہ میں ان کی طرف سے پہل، فتاویٰ کے ادوار فتاویٰ کی ترتیب میں علماء کا حصہ ان تمام چیزوں کو میرے عزیز دوست مولانا محمد صدر الحسن ندوی مدنی نے بڑے ہی سلیقہ سے یکجا کیا ہے۔

مولانا محمد صدر الحسن صاحب ندوی مدنی سے میرا ۲۱ سالہ پرانا تعلق ہے، علمی مراکز میں میں نے ان کو ہمیشہ مطالعہ کرتے پایا۔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ دونوں ہم جماعت رہے، مولانا عربی اردو مجلات و جرائد میں لکھتے رہتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے ایک روز میں نے مولانا سے پوچھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ ایک دستاویز ہے اس میں اقوام وملل کے عروج وزوال کی داستانیں بھی ہیں اور حکمرانوں و بادشاہوں کے کارناموں کے تذکرے بھی تہذیب وتمدن کے آثار بھی ہیں اور علوم وفنون کے ذخائر بھی تغیر وانقلاب کے ادوار بھی ہیں اور جاہ وجلال کے مناظر بھی۔ غرض تاریخ ایک آئینہ ہے جس میں ہر عکس نظر آتا ہے۔

سرزمین ہند کا وہ سنہری دور جہاں مسلم سلاطین تقریباً ۸ صدیوں تک حکمراں رہے اور جنھوں نے وقت اور حالات کے پیش نظر دینی، سیاسی، سماجی کارنامے انجام دیئے ان میں ایک متواضع حکمراں جنہیں ہم اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتے ہیں رہا ہے جو ایک انصاف پسند، مصلح جو، نیک طبیعت وعلم دوست حکمراں ہے۔ اعلیٰ اقدار کا حامل، علماء کی صحبت سے فیضیاب ہونے والے بادشاہ کو اگر لعن طعن سے مجروح کیا جائے، ابر سب وشتم کی بارش کی جائے اور نت نئے الزامات سے اس کو گراں بار کیا جائے تو یہ سب اسکی قدر ومنزلت اور عظمت شان میں اضافہ کرتے ہیں۔ شیوۂ دشمناں یہ ہے کہ وہ قوم کے معمار اور لائق فرزند کو بگاڑ اور نالائق گردانتے ہیں۔ اورنگ زیب کے حالات، علماء سے تعلق، دین سے ربط، قرآن سے شغف، فتاویٰ کے سلسلہ میں ان کی طرف سے پہل، فتاویٰ کے ادوار فتاویٰ کی ترتیب میں علماء کا حصہ ان تمام چیزوں کو میرے عزیز دوست مولانا محمد صدر الحسن ندوی مدنی نے بڑے ہی سلیقہ سے یکجا کیا ہے۔

مولانا محمد صدر الحسن صاحب ندوی مدنی سے میرا ۲۱ سالہ پرانا تعلق ہے، علمی مراکز میں میں نے ان کو ہمیشہ مطالعہ کرتے پایا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ دونوں ہم جماعت رہے، مولانا عربی اردو مجلات وجرائد میں لکھتے رہتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے ایک روز میں نے مولانا سے پوچھ

بھی لیا۔ روزانہ آپ کتنا مطالعہ کرتے ہیں؟ اصرار کرنے پر بتایا! پانچ سو سے چھ سو صفحات کسی علمی کتاب کا روزانہ مطالعہ کرتا ہوں۔ پھر مدینہ منورہ سعودی عرب میں بھی مولانا کا یہی معمول رہا زیر نظر کتاب اسی مطالعہ کا نچوڑ ہے۔ یہ کتاب سرزمین اورنگ آباد کے لئے ایک شاہکار ہے کہ جس کو پایۂ تخت بننے کے ساتھ ساتھ عظیم المرتبت بادشاہ کی آرامگاہ بننے کا بھی شرف ہے میرے ناقص مطالعہ کی بنیاد پر سرزمین اورنگ آباد سے اورنگ زیب پر لکھی جانے والی شاید یہ پہلی کتاب ہو جو علمیت، سلاست و لطافت کے اعتبار سے ہر طرح بہتر ہے۔ اور یہ مولانا کی طرز تحریر کا کمال ہے۔ علمی چیزوں کو بیان کرتے وقت بھی روانی ان کے قلم سے نہیں چھوٹتی۔

تاریخی شواہد سے اپنی تحریر میں زور پیدا کرنے اور بات کو ٹھوس اور مضبوط انداز سے پیش کرنے میں جس عرق ریزی اور دیدہ ریزی کی ضرورت رہی اس میں مولانا نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مولانا کی اس سلیقہ مندی اور خوش اسلوبی پر میں انہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب انشاء اللہ علمی حلقوں میں ضرور مقبول ہوگی اور وابستگان فن تاریخ کے حق میں بڑی معاون ثابت ہو۔

دعاگو ہوں کہ خدا اسکو قبولیت سے نوازے اور مولانا کو اس کاوش پر بہتر جزاء عطا فرمائے (آمین)

عبدالرشید ندوی مدنی

استاذ جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد

یکم رجب المرجب ۱۴۰۹ھ ۸ فروری ۱۹۸۹ء

اورنگ زیب عالمگیر

مختصر حالاتِ زندگی

فتاویٰ عالمگیری کی خصوصیات، اس کے مابہ الامتیاز اوصاف، مجموعہ فتاویٰ میں اسکی امتیازی شان اور نمایاں مقام، فتاوی کے مولفین کی سوانح، فتاویٰ کی تدوین میں ان کی جانفشانی و عرق ریزی اور ژرف نگاہی اور فتاویٰ تدوین کے اسباب بیان کرنے سے پہلے اس کتاب کی جس ذات والاتبار کی طرف نسبت ہے اور جس کے فرمان سے اس کی تدوین عمل میں آئی اگر اس کی زندگی پر اجمالی روشنی ڈالی جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر یکشنبہ کی شب میں ۱۵، ذیقعدہ ۱۰۲۸ھ مطابق ۴ر نومبر ۱۶۱۸ء میں دوحد کے مقام پر (جو اجین سے سو میل اور بڑودہ سے ستر میل کے فاصلہ پر ہے) جہانگیر بن اکبر کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ اُس کی ماں کا نام ارجمند بانو (ممتاز محل) تھا۔ بعض علماء نے اسکی تاریخ ولادت "آفتاب عالم تاب" سے نکالی ہے۔

فرمانروائے ہند اورنگ زیب عالمگیر یا شاعر اسلام علامہ اقبال کے الفاظ میں "امت مسلم ہندیہ کے ترکش کا آخری تیر ... خانوادہ تیموری کا چشم و چراغ تھا"۔ اس مرد مومن اور اسلام کے تیغ جوہر دار کا سلسلہ نسب ظہیر الدین محمد بابر بن عمر شیخ مرزا تیموری سے ملتا ہے جس نے ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدان میں ابراہیم

لودھی کو شکست دیکر ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی داغ بیل ڈالی تھی۔
اسلام سے محبت، علم دین، فقہ، اصول جہانبانی، حکمت جہانداری اور
قوت فرمانروائی اسے وراثت میں ملی تھی اس لیئے کہ بابر جہاں مدبرانہ قوت سے
مالا مال تھا وہیں فرمانروائی و جہانگیری کی اہلیت اور حزم و دوراندیشی اس کے
اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ نوعمری ہی میں اپنے ان نمایاں اوصاف
کی وجہ سے فرغانہ کا بادشاہ بنا دیا گیا تھا۔

بابر اپنی خودنوشت سوانح "تزک بابری" میں رقمطراز ہے: میری
عمر بارہ برس کی تھی اور پانچ رمضان المبارک ۸۹۹ھ مطابق ۱۰ جون ۱۴۹۴ء
تھے کہ میں ملک فرغانہ میں بادشاہ ہوا۔ فرغانہ اقلیم پنجم میں سے ہے اور معمورہ
عالم کے کنارے واقع ہے۔ اس کے مشرق میں کاشغر، مغرب میں سمرقند
جنوب میں کوہستان بدخشان اور شمال میں ویران جنگل ہے۔[۵۳]

اورنگ زیب کی پیدائش اس وقت ہوئی جب جہانگیر سریر آرائے
سلطنت تھا اور اس کی عدل پروری اور رعایا پروری کا طوطی بول رہا تھا چنانچہ دادا
نے اپنے ہونہار پوتے کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کیا۔ اور اسے مولانا
عبداللطیف سلطانپوری، مولانا محمد ہاشم گیلانی، شیخ محی الدین بن عبداللہ
بہاری اور دیگر نامور علماء عصر کے سپرد کیا۔ میر سید محمد قنوجی جو اپنے زمانے
میں ریاضی اور ادب میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اورنگ زیب نے امام غزالی
کی اکثر کتابیں خصوصاً احیاء علوم الدین ان ہی سے پڑھیں تخت نشینی کے بعد
بھی اورنگ زیب نے ان سے علمی تعلقات کو باقی رکھا اور ہفتہ میں
تین دن بادشاہ کے یہاں جو مجلس ہوتی تھی اس میں میر سید محمد قنوجی شریک ہوتے
تھے۔ ملا جیون بھی اورنگ زیب کے استاد تھے جو ایک متبحر عالم تھے اور مختلف

علوم وفنون میں دستگاہ رکھتے تھے۔
شیخ نظام برہانپوری سے بھی عالمگیر نے کسب فیض کیا... شیخ نظام ایام شہزادگی سے چالیس سال تک اس کے ساتھ رہے۔ عالمگیر کے دل میں ان کے تبحر علمی کی وجہ سے ان کی بڑی عزت و وقعت تھی اور خلوت میں بلاکر ان سے احیاء العلوم پر مذاکرہ کرتا تھا۔ علامہ ابوالواعظ بدایونی ہرگامی بھی جو اپنے دور کے نامور علماء میں سے تھے۔ تمام عمر تعلیم و تدریس اور تشنگان علم کو سیراب کرنے میں صرف کردی۔ جن حضرات نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ان میں بادشاہ اورنگ زیب بھی شامل تھا۔

اورنگ زیب کی تخت نشینی

جس وقت شاہ جہاں (وفات ۱۶۶۶ء) صاحب فراش تھا اس وقت دارالشکوہ (ولادت سنہ ۱۶۱۵ء وفات سنہ ۱۶۵۹ء) کی عمر ۴۲ سال تھی اور وہ ملتان و کابل کا حکمران تھا۔ دوسرا لڑکا شجاع (ولادت سنہ ۱۶۱۶ء وفات سنہ ۱۶۶۱ء) مشرق میں بنگال کا صوبہ دار تھا اور اسکی عمر اکتالیس سال تھی، تیسرا لڑکا اورنگ زیب (ولادت ۴ نومبر سنہ ۱۶۱۸ء مطابق سنہ ۱۰۲۸ھ جلوس جولائی سنہ ۱۶۵۸ء مطابق سنہ ۱۰۶۸ھ وفات ۳ مارچ سنہ ۱۷۰۷ء مطابق سنہ ۱۱۱۸ھ) جنوب میں دکن کا صوبہ دار تھا۔ اور اس کی عمر انتالیس سال تھی اور چوتھا لڑکا مراد بخش (ولادت سنہ ۱۶۲۴ء وفات سنہ ۱۶۶۱ء) مغرب میں گجرات کا صوبہ دار تھا اور اسکی عمر ۳۴ سال تھی۔

داراشکوہ کی شکست اور اس کے دور رس نتائج

سنہ ۱۶۵۷ء میں یعنی شاہ جہاں کی وفات

سے نو سال پہلے) شاہ جہاں کے فرزندوں میں جانشینی کی کش مکش شروع ہوئی اور ۱۶۵۸ء میں دارا شکوہ اور اورنگ زیب کے درمیان سموگڈھ کے مقام پر فیصلہ کن جنگ ہوئی اس کے بعد حریفوں میں اورنگ زیب سے مقابلہ کا حوصلہ نہ رہا اور اورنگ زیب سلطنت دہلی کا تاجدار بنا۔

یہ محض فضل خداوندی تھا کہ دارا شکوہ کے بجائے عنان حکومت اورنگ زیب کے حصہ میں آئی اور اس طرح امت مسلمہ ہندیہ برہمنی تہذیب، دیو مالائی عقائد ذہنی کش مکش و انتشار، شیعی اثرات، ایران کی مجوسیت آمیز تہذیبی گنگا جمنی، غیر اسلامی آئین و نوامیس، اندرونی خلفشار و عدم استقرار، فکری و ذہنی ارتداد اور اسلام و مسلم دشمن عناصر کے آغوش میں جلنے اور ان کا شکار ہونے سے ایک عرصہ کے لئے بچ گئی۔

اورنگ زیب کے جانشینوں کی نااہلی

لیکن بعد میں اورنگ زیب کے کمزور جانشینوں کے زمانہ میں (خاص طور پر شاہ عالم بہادر شاہ اول ۱۱۱۸ھ تا ۱۱۲۴ھ فرخ سیر ۱۱۲۵ھ تا ۱۱۳۱ھ محمد شاہ بادشاہ ۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۱ھ اور شاہ عالم ثانی ۱۱۷۳ھ تا ۱۱۱۸ھ) سلطنت تیموریہ کی رہی سہی ساکھ بھی ختم ہو گئی اور سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے زمانے میں سلطنت تیموریہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ ایک نامعلوم مدت کیلئے خاموش ہو گیا۔ غرض وہ سلطنت جو بابر کے عزم جہاں کشا اور اس کے استقلال و جفاکشی سے قائم ہوئی تھی اور جس کو اس کے جانشینوں نے اورنگ زیب تک اپنے جوہر شجاعت اور غیرت تیموری سے قائم رکھا تھا بعد کے فرمانرواؤں کی عیش کوشی، لذت کام و دہن، غفلت شعاری

نفس پرستی، خود فراموشی و خدا فراموشی اور لب بہ جام و دست بہ دلآرام کی نذر ہو گئی۔

داراشکوہ اور تقرب سلطانی

اس کے پورے آثار و قرائن موجود تھے کہ شاہ جہاں خلعت شاہی سے اگر کسی کو نوازتا تو وہ داراشکوہ ہوتا، کیونکہ داراشکوہ بادشاہ کا چہیتا تھا اور قندھار پر آخری دلیرانہ حملہ کرنے کے بعد اس پر بادشاہ کی خاص نظر عنایت ہو گئی تھی جس کی بہت سی علامات ظہور پذیر ہوئیں چنانچہ اس کو شاہ بلند اقبال کا خطاب دیا گیا اور ایک گراں بہا خلعت جس میں ہیرے اور موتی ٹکے ہوئے تھے عنایت ہوئی اسکی لاگت پچاس ہزار روپے لگی گئی ہے اور ایک نہایت بیش قیمت لعل دستار کے واسطے مرحمت ہوا اسکے علاوہ نقد و جواہرات قیمتی چار لاکھ روپے کا عطا ہوا۔ اور اس سے بڑھکر یہ اعزاز خاص ملا کہ شاہی تخت کے پائیں میں اس کے واسطے ایک طلائی کرسی ڈالی گئی اور جملہ خاندان شاہی میں سے صرف داراشکوہ کو یہ افتخار حاصل ہوا کہ بادشاہ کے سامنے بیٹھنے کی اجازت ملی! ۵ھ

داراشکوہ کے مذہبی خیالات

ایک طرف داراشکوہ کے بادشاہ سے تقرب کا یہ عالم تھا تو دوسری طرف اس کے مذہبی خیالات اور فطری رجحانات یہ تھے:۔

داراشکوہ کثرت سے خود بیں و خود پسند واقع ہوا تھا اور اپنی برکات ذہنی پر بے حد متکبر تھا۔ اگر اسکو نصیحت کی جاتی یا اسکے خلاف رائے دی جاتی تو اس کو برداشت نہ کر سکتا تھا اگرچہ بظاہر وہ مسلمان تھا لیکن ہر شخص کے ساتھ

وہ ویسا ہی ہو جاتا تھا۔ اپنی وحدت نظریہ پر اسے فخر تھا. فلسفیانہ خیالات کو اس نے برہمنوں سے جن کو وہ تنخواہیں دیتا تھا سیکھے تھے. اور بادری بزی (BUZ ee) سے مذہبی اشارات لئے تھے اور اس نے مقابل الہیات پر رسالے لکھے تھے جس میں اس بات کی تائید تھی کہ کفر و اسلام قریب قریب توام بہنیں ہیں۔

اسی سیاق میں مولانا آزاد نے جو بات لکھی تھی وہ بہت ہی معنی خیز، فکر انگیز اور عبرت آموز ہے وہ حیات سرمد میں فرماتے ہیں

اگر اورنگ زیب کے بجائے دلی کے تخت پر داراشکوہ جلوہ افروز ہوتا تو آج ہندوستان کا نقشہ سیاسی طور پر کچھ اور ہوتا۔

اورنگ زیب کی سلطنت کی وسعت

الغرض اورنگ زیب عالمگیر غزنی سے چٹاگانگ تک اور کشمیر سے کرناٹک تک کا تنہا فرمانروا تھا اور جیسا کہ کیمبرج ہسٹری آف ورلڈ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ سے انگریزوں کے عروج تک ہندوستان میں اتنی طویل و عریض حکومت کبھی قائم نہیں ہوئی تھی"۔

اورنگ زیب کی فرض شناسی

لیکن اس عظیم سلطنت کی جہانبانی و جہانداری میں وہ اس قدر مستعد اور چست تھا کہ امور سلطنت کے کلیات و جزئیات سے پرچہ نویسوں کی مدد سے وہ ہمیشہ باخبر رہتا تھا اور جس طرح قریبی صوبہ جات کے ذمہ دار افسران اسکی گرفت سے خائف رہتے تھے اسی طرح دور دراز مقامات کے حکام بھی لرزہ براندام رہتے تھے. ایسا احساس ہوتا تھا کہ چشم عالمگیر ان کی ہر وقت نگرانی اور

پاسبانی کر رہی ہے۔

اسٹینلی پول نے صحیح لکھا ہے کہ:۔

اورنگ زیب امور انتظامی کی ذرا ذرا سی تفصیلیں جانچتا اور ادنیٰ ادنیٰ محرروں کا تقرر خود کیا کرتا تھا۔

احساس ذمہ داری امور سلطنت کی گرانباری، فرض شناسی، ہجوم کار اور امور انتظامی کی لیل و نہار کی مشغولیت اور ان سب امور سے اس کی طبیعت پر اثرات کا اندازہ اس شعر سے ہوتا ہے جس کو اکثر وہ گنگنایا کرتا تھا۔

غم عالم فراواں است و من یک غنچہ دل دارم
بچساں در شیشہ ساعت کنم ریگ بیاباں را

اور گاہے بگاہے اس شعر کو بھی پڑھتا تھا جو اسکی زندگی کے نشیب و فراز اس کے ذہنی سوز و ساز، اس کی فطرت کی آواز اور اسکی عقابی نگاہ کے دور رس نصب العین اور مطمح نظر کی غمازی کرتا ہے۔

من نمی گویم زیاں کن یا بہ فکر سود باش
اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

اوصاف و کمالات

اورنگ زیب عالمگیر متنوع اور مختلف الجہات خداداد صلاحیتوں کا مالک تھا۔ اس کے اندر ایسے متضاد کمالات نظر آتے ہیں جن کی تائید غیبی کے علاوہ کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ ایام شہزادگی سے لیکر تخت نشینی اور تخت نشینی سے وفات تک کے حالات میں مورخین نے اس کے کمالات کا ایسا حسین مرقع یا دوسرے الفاظ

میں ایسا دیدہ زیب گلدستہ سجا کر پیش کیا ہے جو اس کے اندر نہاں کمالات کے گنج گرانمایہ کا آئینہ دار ہے اور بے اختیار ایک منصف مزاج مؤرخ کی زبان قلم سے داد و تحسین کے کلمات نکل جاتے ہیں اور بلاشبہ ان مجموعی اوصاف و کمالات کی وجہ سے فرمانروایان ہند میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے اور اس موقع پر شاعر کا یہ شعر زبان پر آتا ہے۔

ولم أر أمثال الرجال تفاوتا!
لدی المجد حتی عد الف بواحد

چنانچہ سطور ذیل میں ہم چند اہم خصوصیات کا جائزہ لیں گے کیونکہ اس مختصر کتابچہ میں تفصیلی جائزہ لینا نہ ممکن ہے اور نہ موضوع کے لحاظ سے اسکی گنجائش ہے۔ صرف "مشتے نمونہ از خروارے" چند چیزیں پیش کی جارہی ہیں۔ ع

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

فن کتابت

اورنگ زیب خط نستعلیق و شکستہ کا ماہر تھا۔ اس نے تخت نشین ہونے سے پہلے پورے قرآن مجید کی کتابت کی اور اس کو مکہ مکرمہ بھجوایا اور تخت نشین ہونے کے بعد پھر ایک بار قرآن مجید کی کتابت کی اور اس کو مدینہ منورہ بھجوایا۔ اسی طرح علم نحو کی مشہور کتاب "الفیہ ابن مالک" کی کتابت کی اور اسے الحاج عبدالرحمٰن مفتی کے ذریعہ مکہ مکرمہ ارسال کیا۔ اس طرح جب اورنگ زیب نے قاضی سید عنایت اللہ مونگیری کو نکمہ قضا کی سند عطا کی تو اپنے ہاتھ سے لکھے دو عدد حمائل (قرآن مجید) عنایت فرمائی۔

قرآن مجید سے شیفتگی

اورنگ زیب (۱۰۶۸ھ مطابق ۱۶۵۸ء)

میں چالیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا، تخت نشینی کے وقت پورے ملک خصوصاً دکن کی کیا حالت تھی اس سے وہ لوگ بخوبی واقف ہیں جن کے سامنے اورنگ زیب کی پچاس سالہ دورِ حکومت کی تاریخ ہے۔ اس وقت پورا ملک ایک بحرانی کیفیت سے دوچار اور ایک عبوری دور سے گذر رہا تھا۔ لیکن ان صبر آزما، ہمت شکن اور زہرہ گداز حالات میں بھی اورنگ زیب کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی اور چند لمحات کیلئے بھی اس کے دل میں خوف وہراس کا گذر نہ ہوا بلکہ ان حالات میں بھی اس کے معمولات کو دیکھ کر ایک مؤرخ یہ لکھنے پر مجبور ہے کہ یہ غیر معمولی حالات اس کے سامنے معمول کے مطابق تھے۔

چنانچہ ان حالات میں اسکی قرآن مجید سے شیفتگی اولوالعزم و استقلال کا نتیجہ تھا کہ تخت نشین ہونے کے بعد ان گوناگوں مشغولیتوں کے باوجود قرآن مجید حفظ کیا۔

اور جب پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تو بعض علماء نے "لوح محفوظ" سے تاریخ نکالی نیز تخت نشینی کے بعد قرآن مجید کی کتابت اور اس کو مدینہ منورہ بھجوانا قرآن مجید سے اس کے تعلق خاطر اور قلبی محبت و شیفتگی کی ایک زندہ مثال ہے۔ اسی طرح تخت نشینی سے پہلے قرآن مجید کی کتابت کرنا اور اس کو مکہ مکرمہ بھجوانا اسکے اعلیٰ باطنی کیفیات کا غماز ہے۔

علوم و فنون میں دستگاہ

علمی اعتبار سے وہ ایک عالم دین اور متعدد علوم و فنون پر عبور رکھتا تھا۔

تخت نشین ہونے سے پہلے اس نے کتاب الاربعین مرتب کی جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی چالیس حدیثیں مرتب کیں اور تخت نشین ہونے کے بعد بھی چالیس احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا اور اس کے بعد ان

دونوں کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اس پر حواشی لکھے۔ اسی طرح علم فقہ میں کامل دستگاہ رکھتا تھا اور اسے اسکی جزئیات تک کا پورا استحضار تھا۔ فقہ میں دلچسپی کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

جب فتاویٰ عالمگیری کی تدوین شروع ہوئی تو بادشاہ کا یہ معمول تھا کہ روزانہ ایک صفحہ یا دو صفحے سنتا تھا اور ملا نظام جو لجنۃ التدوین کے سربراہ تھے اور درجہ افتاء پر فائز تھے بادشاہ کو سنانے کا فرض انجام دیا کرتے تھے اور بادشاہ کو اس سے اس درجہ دلچسپی تھی کہ وہ ایک ایک مسئلہ غور و فکر سے دیکھتا اور سنتا تھا حتیٰ کہ کاتبوں کی غلطیاں خود درست کرتا تھا۔ جب ملا نظام معمول کے مطابق بادشاہ کے سامنے مسودہ پڑھنے لگے اور ایک ایسے مقام پر پہونچے جہاں عبارت میں بہت زیادہ اختلال تھا اور اس اختلال کی وجہ سے مسئلہ زیر بحث کی صورت بدل گئی تھی۔ تو شیخ نظام نے حاشیہ متن کے ساتھ ملا کر پڑھ دیا۔ عالمگیر اس عبارت کے سنتے ہی پریشان ہوا اور جب اس نے دیکھا کہ ملا نظام برابر پڑھتے جا رہے ہیں اور رکتے نہیں ہیں تو کہا۔ "ایں عبارت چلیست؟" یہ کیا معاملہ ہے؟ ذرا پھر پڑھئے۔ ملا دوسری دفعہ بھی روا روی میں اسی طرح پڑھ گئے۔ اب عالمگیر نے اس مقام کی وضاحت چاہی تو وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ اور کہا میں نے اس مقام کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ کل تفصیل سے بتاؤں گا۔ "ایں را مطالعہ نکردہ ام فردا بہ تفصیل عرض خواہم کرد۔"

جرأت و شجاعت

اورنگ زیب عالمگیر میں جہاں دوسری خصوصیات تھیں وہیں اس میں شجاعت و جرأت کی صلاحیت بہت زیادہ نمایاں تھی۔ خطرات کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کرنا اور ایک سپاہی

کی طرح میدان کارزار میں صبر و استقلال کے ساتھ جمے رہنا اور تیغ و تفنگ اور دشمن کی فوجی قوت سے ہراساں نہ ہونا اس کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔

فرانسیسی مؤرخ برنیئر لکھتا ہے:۔

"خطرات اور مصیبت کی اصل نہ سمجھنا گویا اورنگ زیب کا عالم جوانی ہی سے شیوہ رہا۔ محمود و دنیا اس شہنشاہ نے تو عالم پیری میں بھی ادکن کی مہم ایک دو میدان عام سپاہیوں کی طرح جنا کھیا، دکھایا اور بے پروائی سے دشمن کے برق اندازوں میں اپنا گھسا ہے۔"[10]

اورنگ زیب کی شجاعت و جرأت کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ اسٹینلی لین پول رقمطراز ہے:۔

"بلخ کی ہنگامہ آرائی میں ایک ایسے پر ہول موقع پر جبکہ دشمن مور و ملخ کی طرح چاروں طرف سے امڈے ہوئے تھے اور اس کے گرد تلواروں پر تلوار بج رہی تھی کہ غروب ہوتے ہوئے آفتاب نے نماز مغرب کی اطلاع دی۔ بس فوراً اس ہنگامہ پر خطر میں اورنگ زیب اپنے گھوڑے سے نیچے اتر پڑا اور اسے کوئی خوف و ہراس نہ تھا اور ننگی زمین پر اس استقلال سے رکعتیں ادا کیں کہ گویا آگرہ کی مسجد میں کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔ ازبکوں کے بادشاہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے بہ آواز بلند کہا ایسے شخص سے جنگ کرنا اپنے کو برباد کرنا ہے۔"[11]

اسلام سے گہری وابستگی

اسٹینلی لین پول لکھتا ہے:۔

اورنگ زیب سر سے آخر تک پکا دیندار شخص تھا۔ اسلام کے مقابلہ میں اس نے کسی چیز کی کبھی ایک لمحہ کے لئے وقعت نہ کی یعنی نہ تخت شاہی کی نہ عشق و محبت کی، نہ آرام و آسائش کی! اور یہ حال تمام عمر رہا۔[12]

اسٹینلی لین ایک مسلم مؤرخ کے قول کو نقل کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

اپنے فطری میلان طبع سے یہ بادشاہ معبود حقیقی کی عبادت میں مصروف رہتا ہے اور اپنی سخت پابندی شرع کیلئے مشہور ہے۔ باوضو اپنے اوقات کے بڑے حصے کو عبادت الٰہی میں صرف کرتا ہے اور نمازیں بڑے خضوع و خشوع سے پہلے تو مسجد میں جماعت سے اور پھر مکان میں تنہائی میں ادا کرتا ہے وہ جمعہ کو اور دوسرے مبارک دنوں میں روزے رکھتا ہے۔ اور نماز جمعہ مسلمانوں کے ساتھ جامع مسجد میں پڑھتا ہے۔ اور شبہائے مقدس میں شب بیداری کرتا ہے اور نور توفیق الٰہی سے چراغ مذہب و کامرانی کو روشن کرتا ہے۔ اپنے بڑے زہد و تقویٰ سے راتوں کو وہ مسجد میں جو اس کے محل کے اندر ہے جاگتا رہتا ہے۔ اور زہاد و عباد کی صحبت میں بیٹھتا ہے تنہائی میں وہ کبھی تخت پر نہیں بیٹھتا۔ اپنی تخت نشینی سے پہلے وہ اپنی مقرر جائز خوراک و لباس میں سے خیرات کر دیا کرتا تھا اور اب بھی اسی طرح چند مواضعات اور نمک پیدا کرنے والے قطعات سے جو اسکی اپنی ملکیت میں خیرات کر دیا کرتا ہے۔ ماہِ رمضان میں وہ سب روزے رکھتا ہے اور تراویح پڑھتا ہے اور علماء کی جماعت میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے جس کے ساتھ کبھی تو وہ چھ گھنٹے اور کبھی نو گھنٹے شب میں بیٹھتا ہے اور ماہ صیام کے آخر عشرہ میں وہ مسجد میں معتکف رہتا ہے اور اگرچہ وہ بوجہ چند در چند حج کو نہیں جا سکا لیکن حاجیوں کی آسائش کے لئے وہ جس قدر اہتمام کرتا ہے ثواب حج کے برابر ہے۔

وہ کبھی خلاف شرع لباس نہیں پہنتا اور نہ کبھی سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا ہے۔ اس کے دربار میں کسی قسم کی گفتگوئے ناشائستہ غیبت اور کذب کی اجازت نہیں۔[۱]

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:-

"اورنگ زیب نے زمام سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد اپنی پوری توجہ عہد اکبری کے مخالف اسلام اثرات کو مٹانے شیعیت کے اثر کو کم کرنے (جس کا بڑا مرکز جنوب تھا اور اسی لئے اس نے اپنی زندگی اور توانائی کا بڑا حصہ اسکی تسخیر میں صرف کیا) ایران کے ان مجوسیت آمیز اثرات

کو جو دورِ اکبری میں قائم ہو گئے تھے اور جو ایرانی تقویم اور جشن نوروز کی شکل میں پائے جاتے تھے ختم کرنے کے اقدامات کئے محتسب کا شرعی عہدہ قائم کیا تاکہ وہ خلق خدا کو منہیات و منکرات سے منع کرنے حکومت کی بیش قرار نامشروع آمدنیاں موقوف کیں سرود و رقاصی اور تعمیر و کہ درشن کو بند کیا۔ شرعی قاضی مقرر کئے اور ان کو اعلیٰ اختیارات دیئے پوری سلطنت میں شرعی قانون و آئین جاری کرنے اور قاضیوں کی آسانی کے لئے مسائل فقہیہ کی تدوین کا بیڑہ اٹھایا۔ جس کے نتیجہ میں فتاویٰ عالمگیری کے نام سے ایک ایسا مجموعہ تیار ہوا جو مصر و شام اور ترکی میں بھی قانون اسلامی کا ایک بڑا اور مستند ماخذ سمجھا گیا۔ کورنش و آداب کے غیر اسلامی اور غیر موقرانہ طریقے منسوخ کئے اور سلام مسنون کا اجراء کیا۔" شلہ

وفات

اب اورنگ زیب بوڑھا ہو چلا تھا، قویٰ مضمحل ہو رہے تھے عناصر کا اعتدال باقی نہیں رہا تھا۔ نصف صدی تک اس وسیع و عریض سلطنت کی حکمرانی نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ اب یہ حامیِ دین اور خادمِ ملت اپنی سلطنت سے وسیع تر سلطنت اور اپنے عظیم تر قلمرو کے فرمانروا کے در دولت اور آستانہ شاہی کی قدم بوسی کے لئے بے تاب نظر آ رہا تھا اور اب اورنگ زیب عالم بالا کے اورنگ شاہی کے اشارہ کا منتظر تھا کہ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۷۰۷ء پروانہ شاہی آیا جسے انسان کے بجائے فرشتہ لے کر آیا۔ کیونکہ فرشتہ صفت انسان کے پاس فرشتہ ہی کو آنا چاہیئے۔ اور اورنگ زیب سفید لباس میں ملبوس ہو کر بہ صد آداب و ملاحظہ دوش احباب پر سوار ہو کر خلد بریں میں قیام کے لئے خلد آباد روانہ ہوا۔ تله

اب ہم ہیں وہ اورنگ زیب نہیں جو اپنی وفات کے بعد مخالفین و معاندین کے اشہب قلم کی جولانیوں کی آماجگاہ بنا اور علامہ شبلی کو کہنا پڑا سے

اپنے فطری میلان طبع سے یہ بادشاہ معبود حقیقی کی عبادت میں مصروف رہتا ہے اور اپنی سخت پابندی شرع کیلئے مشہور ہے۔ باوضو اپنے اوقات کے بڑے حصے کو عبادت الٰہی میں صرف کرتا ہے اور نمازیں بڑے خضوع و خشوع سے پہلے تو مسجد میں جماعت سے اور پھر مکان میں تنہائی میں ادا کرتا ہے وہ جمعہ کو اور دوسرے مبارک دنوں میں روزے رکھتا ہے۔ اور نماز جمعہ مسلمانوں کے ساتھ جامع مسجد میں پڑھتا ہے۔ اور شب ہائے مقدس میں شب بیداری کرتا ہے اور نور توفیق الٰہی سے چراغ مذہب و کامرانی کو روشن کرتا ہے۔ اپنے بڑے زہد و تقویٰ سے راتوں کو وہ مسجد میں جو اس کے محل کے اندر ہے جاگتا رہتا ہے۔ اور زہاد و عباد کی صحبت میں بیٹھتا ہے۔ تنہائی میں وہ کبھی تخت پر نہیں بیٹھتا۔ اپنی تخت نشینی سے پہلے وہ اپنی مقرر جائز خوراک و لباس میں سے خیرات کردیا کرتا تھا اور اب بھی اسی طرح چند مواضعات اور نمک پیدا کرنے والے قطعات سے جو اسکی اپنی ملکیت ہیں خیرات کردیا کرتا ہے۔ ماہ رمضان میں وہ سب روزے رکھتا ہے اور تراویح پڑھتا ہے اور علماء کی جماعت میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے جس کے ساتھ کبھی تو وہ چھ گھنٹے اور کبھی نو گھنٹے شب میں بیٹھتا ہے اور ماہ صیام کے آخر عشرہ میں وہ مسجد میں معتکف رہتا ہے اور اگرچہ وہ بوجہ چند در چند حج کو نہیں جاسکا لیکن حاجیوں کی آسائش کے لئے وہ جس قدر اہتمام کرتا ہے ثواب حج کے برابر ہے۔

وہ کبھی خلاف شرع لباس نہیں پہنتا اور نہ کبھی سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا ہے۔ اسکے دربار میں کسی قسم کی گفتگوئے ناشائستہ غیبت اور کذب کی اجازت نہیں۔ [۱]

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں :۔

" اورنگ زیب نے زمام سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد اپنی پوری توجہ عہد اکبری کے مخالف اسلام اثرات کو مٹانے شیعیت کے اثر کو کم کرنے (جس کا بڑا مرکز جنوب تھا اور اسی لئے اس نے اپنی زندگی اور توانائی کا بڑا حصہ اسکی تسخیر میں صرف کیا) ایران کے ان مجوسیت آمیز اثرات

کو جو دور اکبری میں قائم ہو گئے تھے اور جو ایرانی تقویم اور جشن نوروز کی شکل میں پائے جاتے تھے ختم کرنے کے اقدامات کئے محتسب کا شرعی عہدہ قائم کیا تا کہ وہ خلق خدا کو منہیات شرعیات سے منع کرے حکومت کی بیش قرار نامشروع آمدنیاں موقوف کیں سرود و رقاصی اور تصویر کشی کو بند کیا۔ شرعی قاضی مقرر کئے اور ان کو اعلیٰ اختیارات دیئے پوری سلطنت میں شرعی قانون و آئین جاری کرنے اور قاضیوں کی آسانی کے لئے مسائل فقہیہ کی تدوین کا بیڑہ اٹھایا۔ جس کے نتیجہ میں فتاوٰی عالمگیری کے نام سے ایک ایسا مجموعہ تیار ہوا جو مصر و شام اور ترکی میں بھی قانون اسلامی کا ایک بڑا اور مستند ماخذ سمجھا گیا۔ کورنش و آداب کے غیر اسلامی اور غیر موحدانہ طریقے منسوخ کئے اور سلام مسنون کا اجراء کیا۔" [۶۵]

وفات

اب اورنگ زیب بوڑھا ہو چلا تھا، قوی مضمحل ہو رہے تھے عناصر کا اعتدال باقی نہیں رہا تھا۔ نصف صدی تک اس وسیع و عریض سلطنت کی حکمرانی نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ اب یہ حامی دین اور خادم ملت اپنی سلطنت سے وسیع تر سلطنت اور اپنے عظیم تر قلمرو کے فرمانروا کے در دولت اور آستانہ شاہی کی قدم بوسی کے لئے بے تاب نظر آ رہا تھا اور اب اورنگ زیب عالم بالا کے اورنگ شاہی کے اشارہ کا منتظر تھا کہ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۷۰۷ء پروانہ شاہی آیا جسے انسان کے بجائے فرشتہ لے کر آیا۔ کیونکہ فرشتہ صفت انسان کے پاس فرشتہ ہی کو آنا چاہیئے۔ اور اورنگ زیب سفید لباس میں ملبوس ہو کر بہ صد آداب و ملاحظ دوش احباب پر سوار ہو کر خلد بریں میں قیام کے لئے خلد آباد روانہ ہوا۔ [۶۶]

اب ہم میں وہ اورنگ زیب نہیں جو اپنی وفات کے بعد مخالفین و معاندین کے اشہب قلم کی جولانیوں کی آماجگاہ بنا اور علامہ شبلی کو کہنا پڑا ؎

تجھے لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ عالمگیر ہندو کش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

اور اگر اورنگ زیب عالمگیر کو حیات نو بخشی جائے اور اس کے سامنے افترا ءات و اتہامات کے گرانبار و خود ساختہ تاریخی حقائق کے پشتارے پیش کیے جائیں تو شاید اپنے دلی کرب و الم اور قلبی حزن و ملال کے اظہار کے لیے اس شعر کا سہارا لے ؎

بہ من چنداں گنہ از بدگمانی می کند نسبت!
کہ من ہم در گماں افتادہ پندارم گنہگارم

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین

خصوصیات اور تراجم

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین، خصوصیات اور تراجم پر تفصیلی بحث سے پہلے ہم ہندوستان میں فتاویٰ کی تدوین کی تاریخ پر اجمالی روشنی ڈالیں گے۔

فتاویٰ کی تدوین ہندوستان میں

معاصر تاریخی روایات اور مؤرخین کی شہادتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فتاویٰ کی تدوین کی ابتداء ہندوستان میں غیاث الدین بلبن کے عہد سے ہوئی ہے اور اس زمانہ سے لے کر آج تک فتاویٰ کی تدوین کا کام جاری ہے۔ اور حالات و واقعات کے پیش نظر فتاویٰ کے نت نئے مجموعے انشاء اللہ عالم وجود میں آتے رہینگے۔

ہندوستان میں فتاویٰ کے جو مجموعے مدوّن ہوئے ہیں ان کی ایک لمبی فہرست ہے جس کی تفصیل اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مصنف نے اپنی حیات تک تقریباً اڑتالیس فتاویٰ کے مجموعے کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد بھی کئی ضخیم فتاویٰ کے مجموعوں کا اضافہ ہوا ہے جیسے فتاویٰ رحیمیہ اور فتاویٰ دار العلوم وغیرہ۔

فتاویٰ کے جو مجموعے اس برّ اعظم میں تیار ہوئے ان میں بعض مجموعے وہ ہیں جن کا انتساب بادشاہ یا امراء کی طرف ہے۔ اور اکثر مجموعے وہ ہیں جن کی نسبت خود

مؤلفین و مدوّنین کی طرف ہے۔ فتاویٰ کے جو مجموعے مؤلفین کی طرف منسوب ہیں ان کا رواج نہ پانا ایک معقول اور قدرتی امر ہے جس کے اسباب اور وجوہات سمجھ میں آتے ہیں لیکن وہ مجموعے جو بادشاہ یا امراء کی طرف منسوب ہیں مثلاً فتاویٰ غیاثیہ جو ساتویں صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ اور غیاث الدین بلبن کی طرف منسوب ہے۔ یا فوائد فیروز شاہی جو ملا محمد تتاری کی تصنیف ہے اور فیروز شاہ تغلق کی طرف منسوب ہے یا فتاویٰ تاتارخانیہ جو گجرات کے قاضی القضاۃ رکن الدین ابن حسام الدین ناگوری کی تصنیف ہے اور فیروز تغلق کے وزیر تاتارخاں کی طرف منسوب ہے۔ یا فتاویٰ ابراہیم شاہی (عربی و فارسی) جو قاضی نظام الدین کی تصنیف ہے۔ اور والی جونپور سلطان ابراہیم شرقی کی طرف منسوب ہے۔ یا فتاویٰ بابری جو ظہیر الدین بابر کے زمانے کی تصنیف ہے اور اسی کی طرف منسوب ہے یا مجموعہ خانی جو شیخ کمال الدین بن کریم الدین ناگوری کی تصنیف ہے اور الغ قتلغ بہرام خان کی طرف منسوب ہے یا فتاویٰ محمدیہ جو سلطان ٹیپو کی تصنیف ہے۔ ان کا رواج نہ پانا اور مشہور نہ ہونا اور فتاوی کے ایسے مجموعہ کا جس کا انتساب بھی ایک بادشاہ کی طرف ہے یعنی "فتاویٰ عالمگیری" رواج پانا اور مشہور ہونا کیا اس بات کی غمازی نہیں کرتا کہ مجموعہ فتاویٰ میں فتاویٰ عالمگیری کو جو امتیازات اور خصوصیات کلی طور پر حاصل ہیں وہ ان میں سے کسی کو حاصل نہ تھیں۔ اس لئے اب ہم فتاویٰ عالمگیری کی تدوین اور اس کی خصوصیات سے بحث کریں گے۔

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے اسباب

محمد کاظم شیرازی تدوین کے اسباب بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہے۔

چونکہ بادشاہ سلامت کو اس کا خاص خیال ہے کہ تمام مسلمان ان

دینی مسائل پر عمل کریں جن کو حنفی مذہب کے علماء وا کابر واجب العمل سمجھتے ہیں لیکن مسائل فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں میں فقہاء اور علماء کے اختلاف کی وجہ سے روایات ضعیفہ اور اقوال مختلفہ سے مل جل گئے ہیں اور اس کے ساتھ وہ کسی ایک کتاب میں موجود بھی نہیں ہیں اور جب تک مبسوط کتابیں جمع نہ کی جائیں اور ایک شخص کو احکام فقہ میں کامل مہارت حاصل نہ ہو وہ مفتیٰ بہ مسئلہ کو ان سے اخذ نہیں کر سکتا۔ اس لئے بادشاہ سلامت کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ پایۂ تخت کے علماء کی ایک جماعت شاہی کتب خانہ کی ان فقہی کتابوں کو جو ایک مدت میں تمام اطراف عالم سے جمع کی گئی ہیں سامنے رکھ کر نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ ان مسائل کو ایک کتاب میں جمع کریں تاکہ ہر شخص اس کتاب سے مسئلہ مفتیٰ بہا آسانی سے معلوم کر سکے اور اسلام کے قاضی و مفتی بہت سی کتابوں کو جمع کرنے اور پڑھنے سے بے نیاز ہو جائیں۔ اس کام کی ذمہ داری اور اس کا اہتمام شیخ نظام کے سپرد کیا گیا۔ کہ تمام علماء کے اتفاق رائے سے ان مسائل کو ایک کتاب میں جمع کریں۔ علماء و فضلاء کا ایک گروہ جو پایۂ تخت میں موجود تھا اس کام میں مشغول ہوا اور ہندوستان کے اطراف میں جو شخص علم فقہ میں شہرت اور کمال رکھتا تھا شاہی فرمان کی رو سے طلب کر کے ان کا شریک کار بنایا گیا۔ اور یہ تمام علماء و فضلاء معقول وظیفہ کے ساتھ اس کام میں مشغول ہو گئے۔ اور اس کام کے لئے جن کتابوں کی ضرورت تھی وہ شاہی کتب خانہ سے ان لوگوں کے حوالے کی گئیں اور ہر سال اس کام کے اسٹاف کے لئے ایک بہت بڑی رقم خزانہ شاہی سے صرف کی جاتی تھی کہ جب یہ کتاب مکمل ہو جائیگی تو دنیا تمام فقہی کتابوں سے بے نیاز ہو جائے گی اور اس کا ثواب بادشاہ سلامت کے نامۂ اعمال میں درج ہوگا۔ ؎

اورنگ زیب کی علم پروری اور جوہر شناسی

اورنگ زیب اپنے پیشرووں کی طرح علم پرور علماء کا قدرداں اور جوہر شناس تھا۔ اور اس میدان میں اپنے اسلاف کی عمدہ مثال تھا۔ جہانگیر جس کے دورِ حکومت میں اورنگ زیب پیدا ہوا تھا شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی نسبت تزک جہانگیری میں لکھتا ہے۔ چونکہ وہ نکتہ شناس تھا اس لئے ان کی نسبت ایسی رائے ظاہر کرتا ہے جو ایک بڑے مدقق کا کام ہو سکتا ہے۔

"مدت ہا است کہ در گوشۂ دہلی بہ وضع توکل و تجرید بسر می برد مرد گرامی است صحبتش بے ذوق نیست۔ بہ انواع مراحم دلنوازی کردہ رخصت فرمودم"۔ [19]

اورنگ زیب عالمگیر میں بھی یہ نکتہ شناسی بدرجہ اتم موجود تھی اس لئے اس نے فتاویٰ کی تدوین کے لئے ایسے افراد کا انتخاب کیا جس میں سے ہر شخص علم فقہ میں یگانۂ روزگار اور آسمان علم کا آفتاب و ماہتاب تھا۔ اسکی علم دوستی علماء پروری اور جوہر شناسی و قدردانی کا اندازہ لگانے کیلئے صرف یہ واقعہ کافی ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین اور دوسری خدمات کے سلسلے میں اورنگ زیب عالمگیر نے شیخ نظام (سررشتہ تدوین) کو مقرب خان کے لقب سے سرفراز فرما کر شش ہزاری پنج ہزار سوار کا منصب عطا فرمایا۔ اور خلعت خاص و شمشیر و خنجر مروارید سپر مرصع و علم و نقارہ اور ایک لاکھ روپیہ نقد اور تیس (۳۰) عربی و عراقی گھوڑے اور دو ہاتھی مرحمت کئے۔ [20]

ایک ناقابل فراموش حقیقت

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایشیائی سلطنتوں میں علم و فضل کا رواج (بہت حد تک سلاطین کی قدردانی پر موقوف ہے۔ اور اس باب میں سلاطین اسلام

کو عموماً تمام دنیا کے حکمرانوں پر ترجیح حاصل ہے۔(۲۱)

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ مسلمانوں کی علمی و فکری تاریخ اور ان کی تصنیفی و تحقیقی سرگرمیوں کی طویل روداد کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی علمی و فکری زندگی و نشاط اور ان کی تصنیفی و تحقیقی سرگرمیاں سیاسی عروج اور سلطنتوں کی ترقی و فتوحات سے (کلی طور پر) مربوط و وابستہ نہیں ہے، جیسا کہ اکثر غیر مسلم اقوام و ملل کی تاریخ میں نظر آتا ہے کہ ان کے سیاسی زوال، انقلاب سلطنت اور بدنظمی و انتشار کے ساتھ ان کو علمی زوال اور قحط الرجال سے واسطہ پڑتا ہے۔ سلطنتوں کی ہمت افزائی و سرپرستی اور قوموں میں خود اعتمادی و احساس برتری کے فقدان کے ساتھ ان کے ذہن و فکر کے سوتے خشک، مسابقت کا جذبہ سرد اور محرکات عمل کمزور پڑ جاتے ہیں لیکن مسلمانوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے ..... اور اس کی وجہ یہ ہے کہ علوم دینیہ میں کمال پیدا کرنے اور ان کی خدمت و اشاعت کے محرکات اس امت کے اندرون اور باطن میں پائے جاتے ہیں نہ کہ بیرون (حکومتوں کی سرپرستی و قدردانی) میں۔ اور وہ محرکات ہیں رضائے الٰہی کا حصول، نیابت انبیاء کے فرض کی ادائیگی اور دین کی حفاظت کی ذمہ داری کا احساس۔(۲۲)

زمانہ تدوین

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کا واقعہ بادشاہ اورنگ زیب کی ابتدائی عہد سلطنت کا ہے۔ تدوین کا آغاز دار السلطنت میں اورنگزیب کی تخت نشینی کے دسویں سال ۱۰۷۸ھ میں ہوا کیونکہ اورنگ زیب ۱۰۶۸ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ اور ۱۰۸۶ھ میں آٹھ سال کی علماء کرام کی شب و روز کی جانکاہی، مغز زنی، عرق ریزی، جانفشانی اور ژرف نگاہی فتاویٰ عالمگیری کی شکل میں عالم وجود میں آئی۔ اور مآثر عالمگیری کے مؤلف کے بیان کے مطابق اس کتاب نے علماء و طلبہ کو تمام کتب فقہ

سے بے نیاز کر دیا۔

مصارفِ تدوین چونکہ بادشاہِ وقت کی اس کتاب پر خاص توجہ تھی اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے جید اور ماہر فن علماء کی تدوین کے سلسلہ میں خدمات حاصل کی گئیں تھیں۔ ان علماء بادشاہ نے فیاضی کے ساتھ علماء کی قدردانی کی اور کسی بھی چیز سے دریغ نہیں کیا۔ اس لئے آٹھ سال کی مدت میں کتاب تیار ہوئی تو اس پر دو لاکھ روپے صرف ہو چکے تھے۔

فتاویٰ کے سلسلہ میں اورنگزیب کا اہتمام عالمگیر کو اس کی ترتیب و تدوین کا بڑا اہتمام تھا۔ اس لئے بالالتزام ملا نظام روزانہ ایک صفحہ عالمگیر کو سناتے تھے۔ اور جب کوئی مسئلہ بادشاہ کی نظر میں کھٹکتا تو اس پر شیخ سے بحث و تمحیص کرتا تھا۔ مسئلہ

چنانچہ جب ملا نظام معمول کے مطابق بادشاہ کے سامنے مسودہ پڑھنے لگتے تو ایک ایسا مقام آیا جہاں انھوں نے حاشیہ متن کے ساتھ ملا کر پڑھ دیا۔ عالمگیر اس عبارت کے سنتے ہی پریشان سا ہوا اور جب اس نے دیکھا کہ ملا نظام برابر پڑھتے ہی جارہے ہیں اور رکنے کا نام نہیں لیتے تو کہا۔ "ایں عبارت چلیست" یہ کیا معاملہ ہے ذرا پھر پڑھئے۔ ملا نظام دوسری مرتبہ بھی رواروی میں اسی طرح پڑھ گئے۔

اب عالمگیر نے اس مقام کی وضاحت چاہی تو وہ کوئی جواب نہ دے سکے اور کہا میں نے اس مقام کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ کل تفصیل سے بتاؤں گا۔ "ایں را مطالعہ نہ کردہ ام فردا بہ تفصیل عرض خواہم کرد۔"

فتاویٰ عالمگیری تدوین کے بعد

آٹھ سال کی محنت شاقہ اور دیدہ ریزی کے بعد فتاویٰ عالمگیری تین ہزار دو سو تیرہ صفحات پر مشتمل چھ ضخیم جلدوں میں منظر شہود پر آئی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ حصہ اول اور اس کے مشتملات	۱ — ۵۷۴	
کتاب الطہارۃ	۳	۵۰
کتاب الصلوۃ	۵۰	۱۷۰
کتاب الزکوۃ	۱۷۰	۱۹۴
کتاب الصوم	۱۹۴	۲۱۶
کتاب الحج	۲۱۶	۲۶۷
کتاب النکاح	۲۶۷	۳۴۲
کتاب الرضاع	۳۴۲	۳۴۸
کتاب الطلاق	۳۴۸	۵۷۴
۲۔ حصہ دوم اور اس کے محتویات	۱ — ۴۹۱	
کتاب العتاق	۱	۵۰
کتاب الأیمان	۵۱	۱۴۲
کتاب الحدود	۱۴۲	۱۷۰
کتاب السرقۃ	۱۷۰	۱۸۸
کتاب السیر	۱۸۸	۲۸۵
کتاب اللقیط	۲۸۵	۲۸۹

کتاب الرهن	۱۳۱	۱۹۳	
۶۔ جلد ششم اور اس کے مشتملات		۲	۴۸۰
کتاب الجنایات	۲	۹۰	
کتاب الوصایا	۹۰	۱۵۹	
کتاب المحاضر والسجلات	۱۶۰	۲۴۸	
کتاب الشروط	۲۴۸	۳۸۹	
کتاب الحیل	۳۸۹	۴۲۷	
کتاب الخنثی	۴۲۷	۴۴۶	
کتاب الفرائض	۴۴۶	۴۸۰	

صفحات کے حوالے اور جلدوں کی تقسیم میں اس طباعت سے مدد لی گئی ہے جو مطبع امیریہ بولاق (مصر) سے ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوئی ہے[۲۵]

تدوین کے اسباب، زمانہ تدوین، مصارف تدوین، تدوین فتاویٰ کے سلسلہ میں اورنگ زیب عالمگیر کے اہتمام اور فتاویٰ عالمگیری کی چھ ضخیم جلدوں کے محتویات و مشتملات اور ہندوستان میں فتاویٰ کی تدوین کی مختلف ادوار میں کوششوں کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم فتاوی عالمگیری کے ان اہم اور مابہ الامتیاز خصوصیات کا جائزہ لیں گے جو اسکو دوسرے مجموعہ فتاویٰ سے ممتاز کرتی ہیں اور اسکو بلند و بالا مقام عطا کرتی ہیں۔

فتاوی عالمگیری کی خصوصیات

۱۔ اسکی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف ایک شخص یا دو چار افراد کی

علمی کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ علماء دین اور فقہاء کرام کی ایک بڑی جماعت کی کوششوں سے معرض وجود میں آیا ہے، جن علماء کرام کو اسکی تدوین و تالیف کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ وہ نہ صرف علوم دینیہ اور خاص طور پر علوم فقہ میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے بلکہ زہد و تقویٰ انابت الی اللہ اور خشیت وللہیت میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ انھوں نے پوری جانفشانی اور عرق ریزی سے اس کام کو تکمیل تک پہنچایا۔ نیز علماء کرام نے مسائل میں بحث و تمحیص اور اسکی تشریح و توضیح میں کمال احتیاط اور دیانت کا ثبوت دیا اور چونکہ یہ علماء فقہ کی ایک پوری جماعت کی تگ و تاز علمی کا نتیجہ ہے اس لئے اس میں فقہی اعتبار سے غلطی کے بہت کم امکانات ہیں۔

۲۔ اس کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اسکی عبارت بہت سہل اور رواں ہے۔ اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو بہت ہی عمدہ طریقہ سے حل کیا گیا ہے۔

علامہ شبلی نے بجا لکھا ہے کہ

اس کتاب کا امتیازی وصف یہ ہے کہ جو مسائل تمام کتب فقہ میں پیچیدہ الفاظ میں پائے جاتے ہیں ان کو اس قدر آسان کر کے لکھا ہے کہ ایک بچہ تک سمجھ سکتا ہے [26]

۳۔ اسکی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتاب ھدایہ کی ترتیب پر مرتب کی گئی ہے اور ان میں صرف ان ہی مسائل کو لیا گیا ہے جو ظاہر الروایہ (یعنی فقہ حنفی کی وہ چھ معروف کتابیں جو امام محمد کی تصنیف ہیں اور وہ ہیں جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر کبیر، سیر صغیر) سے ثابت ہیں جو مسائل نوادر سے ثابت ہیں ان کو ذکر نہیں کیا ہے۔ صرف اس صورت میں ذکر کیا ہے جب ظاہر الروایۃ میں مسئلہ کا جواب نہ ملا ہو یا نوادر کے جواب میں صراحت ہو کہ اس پر فتویٰ بھی ہے۔

۴۔ اسکی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اسلامی ہندوستان میں علم فقہ کی یہ پہلی مفصل اور مبسوط کتاب ہے جو ایک دیندار بادشاہ کی ذاتی سعی و محنت سے لکھی گئی ہے کیونکہ

بادشاہ خود روزانہ چند صفحات سنتا تھا۔ اور مسائل پر جہاں ضرورت ہوتی علماء سے بحث کرتا تھا۔ اس کتاب سے پہلے بھی مختلف حکمرانوں کے دور میں فقہاء نے فتاوی ترتیب دیئے اور اس دور کے حکمرانوں کی طرف ان کا انتساب کیا لیکن ان کو وہ شہرت نہ مل سکی جو اس مجموعہ فتاوی کو حاصل ہوئی۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

درۂ خیبر کے راستے سے جو علماء وارد ہوئے وہ اپنے ساتھ جو علم دین یہاں لائے وہ صرف فقہ دانی کی کتابوں کا پشتارہ تھا کہ اس پر حکومت کے انتظام کا دار ومدار تھا۔ اور ملک کے قانون اور سلاطین کے تقرب کا ذریعہ تھا۔ چنانچہ شروع عہد سے لے کر اخیر تیموری عہد تک ہندوستان میں فتاوی اور قانون کے مختلف مجموعے تیار ہوئے جن میں سب سے زیادہ مقبولیت فتاوی عالمگیری کو حاصل ہوئی۔ ۲۷؎

۵ ۔ اسکی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فقط حصہ عبادات ہی کو اہمیت نہیں دی گئی ہے بلکہ حصہ معاملات بھی متعدد ضروری تفصیلات و جزئیات پر مشتمل ہے۔

۶۔ اسکی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ ہر مسئلہ کے ماخذ کا حوالہ دے دیا گیا ہے اور اگر اصل کتاب جس کا حوالہ دیا گیا ہے سامنے نہیں ہے اور مسئلہ دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے تو ناقلا عن فلان کا لفظ لکھ کر اصل ماخذ کا ذکر کر دیا گیا ہے اور بغیر کسی شدید ضرورت کے اصل کتاب کی عبارت میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔

۷ ۔ اسکی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتاب بہت ہی اہم مفید اور اپنے موضوع پر جامع ہے۔ اس میں مسائل کا امکانی حد تک زیادہ سے زیادہ احاطہ کیا گیا ہے۔

۸ ۔ اسکی آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ اسکی تدوین و ترتیب میں مسائل کی تکرار اور ملتی میں حشو و زوائد سے پرہیز کیا گیا ہے۔

۹ ۔ اسکی نویں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایسے مسائل کو درج کرنے سے حتی الامکان پہلو تہی

کی گئی ہے جن کا حل نادر اور شاذ تصور کیا گیا ہے۔

۱۰۔ اسکی دسویں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے حوالے مستند کتابوں کی اصل عبارتوں پر مشتمل ہیں اور گویا اس میں فقہ کی تمام قابل ذکر وقیع کتابوں کا عطر آگیا ہے اور اس کے ماخذ و مراجع فقہ میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۱۔ اسکی گیارہویں خصوصیت یہ ہے کہ ابواب کی تقسیم اور مضامین کی تہذیب اس انداز پر کی گئی ہے کہ مسائل ڈھونڈنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

۱۲۔ اسکی بارہویں خصوصیت یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں دو یا دو سے زیادہ حل کسی معتبر کتاب میں درج پائے گئے ہیں تو مزید دلائل اور سیر حاصل بحث کے بعد صرف وہی حل درج کیا گیا ہے جسے دیگر فیصلوں پر ترجیح حاصل ہے۔

۱۳۔ اسکی تیرھویں خصوصیت یہ ہے کہ اولاً تو اس میں شاذ اور نادر الوقوع مسائل نہیں لئے گئے ہیں۔ لیکن اگر شاذ فیصلوں کے اندراج کے بغیر چارۂ کار نہ تھا تو اس کو کتاب میں جگہ دینے سے دریغ بھی نہیں کیا گیا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری کے تراجم

جیسا کہ دستور ہے۔ ہر زمانہ میں اہم اور وقیع کتابوں کے ترجمے دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہوتے رہے ہیں تاکہ اس سے صرف زبان داں ہی استفادہ نہ کرسکے بلکہ دیگر حضرات کو بھی استفادہ کا موقع ملے۔ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ زمانہ گذشتہ میں مجموعی طور پر ترجمہ کے میدان میں اتنی وسعت پیدا نہیں ہوئی تھی جس قدر آج پیدا ہو گئی ہے۔ اسی اصول کے تحت فتاویٰ عالمگیری کے بھی مختلف زبانوں میں ترجمے ہوئے جس کی تفصیل اس

طرح ہے

فارسی ترجمے

(۱) سب سے پہلے فتاویٰ عالمگیری کا فارسی ترجمہ علامہ عبداللہ رومی چلپی نے کیا ہے جو عہد شاہجہانی میں روم سے ہندوستان آئے تھے اور اکثر علوم وفنون میں بے مثل اور یگانہ روزگار تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ عربی فارسی اور ترکی کے صاحب طرز ادیب بھی تھے۔[۲۸] اس وقت اس ترجمہ کا کوئی نسخہ بھی دستیاب نہیں ہے۔

(۲) دوسرا فارسی ترجمہ قاضی القضاۃ نجم الدین علی خان کاکوروی[۲۹] نے فورٹ ولیم کالج کلکتہ کی کونسل کے حکم سے کیا تھا۔ اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ بانکی پور پٹنہ میں موجود ہے۔

اردو ترجمے

اس کا اردو ترجمہ مولانا سید امیر علی ملیح آبادی نے کیا تھا۔ جو دس جلدوں میں ہے۔ اور مطبع نولکشور لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے۔ اور دستیاب ہے۔ دوسرا اردو ترجمہ مفتی جمیل الرحمٰن صاحب۔ مولانا لقمان الحق فاروقی اور مفتی کفیل الرحمٰن عثمانی کے قلم سے دیوبند سے شائع ہوا ہے۔

انگریزی ترجمہ

اس کا انگریزی ترجمہ ۱۸۵۰ء میں بیلی نے منتخبات کی شکل میں کیا اور مندرجہ ذیل نام سے شائع ہوا۔

A digest of Moohummeten Haneefea and Islamic Law in India

مدونین فتاوی عالمگیری

حالات و واقعات

فتاویٰ عالمگیری تحتی براعظم ہندوستان اور عالم اسلام میں اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ جو علوم فقہ کے ماہرین کی کدوکاوش اور عرق ریزی کے نتیجہ میں اعانہ وجود میں آیا ہے۔ اس لئے اب ان نجت آور خوش قسمت افراد کا تفصیلی ذکر کریں گے۔ جنھیں فتاویٰ کی تدوین کی سعادت نصیب ہوئی۔

تدوین اور لائحۂ عمل

تدوین کے سلسلہ میں لائحہ عمل یہ طے پایا کہ فتاویٰ کی تدوین کے کام کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور چار ماہر فن حضرات کو اس کی تدوین سپرد کر دی جائے اور ان چار افراد کی معاونت کے لئے علماء فقہ کی ایک معقول تعداد ان کی ماتحتی میں دیدی جائے اور ملا نظام برہانپوری کو افسر سررشتہ تدوین مقرر کیا گیا۔ بعض تاریخی شہادتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ چار ماہر فن علماء جن میں سے ہر ایک کے ذمہ ربع فتاویٰ کی تدوین کا بار گراں سونپا گیا تھا۔ ان میں سے بعض کو علمی کام میں ان کی معاونت کیلئے دس افراد مہیا کر دیے گئے تھے جیسا کہ مرآۃ العالم کا مصنف بختاور خاں ملا وجیہ الدین گوپاموی

کے حالات میں لکھا ہے۔

در ترتیب وتالیف ربع از فتاویٰ عالمگیر شاہی مامور شدہ وده کس دیگر
از فضلاء بمدد واعانت او مقرر شد او دراں کار مسائل جمیلہ بکار برده بشد

اس تاریخی شہادت کی بنا پر اگر تاریخ سازی کا الزام عائد نہ کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ چار اشخاص میں سے ہر ایک کو دس دس افراد مہیا کئے گئے ہونگے۔ اس طرح فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کنندگان کی تعداد پینتالیس (ایک افسر اعلیٰ، چار مدونین، چالیس معاونین) تک ہو پہنچنی چاہیئے لیکن ان سب حضرات کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے۔ اس لئے ہم ان ہی حضرات کے حالات سے بحث کریں گے جن کو تاریخ کے صفحات نے محفوظ کئے ہیں۔

سررشتہ تدوین فتاویٰ عالمگیری کے ارکان کی تفصیل

نگراں سررشتہ تدوین فتاویٰ عالمگیری۔

ملا نظام برہانپوری

مدونین فتاویٰ عالمگیری

مولانا جلال الدین مچھلی شہری (ایک ربع)
مفتی وجیہ الدین گوپاموی (ایک ربع)
مفتی محمد اکرم لاہوری (ایک ربع)
قاضی محمد حسین جونپوری (ایک ربع)

معاونین

(۱) شیخ رضی الدین بھاگلپوری
(۲) میر سید محمد قنوجی
(۳) ملا حامد جونپوری
(۴) ملا محمد جمیل جونپوری
(۵) قاضی سید علی اکبر سعد اللہ خانی الہ آبادی
(۶) شیخ نظام الدین ٹھٹھوی سندھی
(۷) علامہ ابوالواعظ ہرگامی بدایونی
(۸) شیخ احمد گوپاموی
(۹) شیخ محمد غوث کاکوروی
(۱۰) شیخ فصیح الدین جعفری پھلواروی
(۱۱) شیخ عبدالفتاح ہمدانی جونپوری
(۱۲) قاضی عصمت اللہ لکھنوی
(۱۳) مفتی ابوالبرکات دہلوی
(۱۴) قاضی عبدالصمد جونپوری
(۱۵) قاضی محمد دولت فتحپوری
(۱۶) مولانا محمد سعید سہالوی
(۱۷) قاضی سید عنایت اللہ مونگیری
(۱۸) شاہ عبدالرحیم دہلوی
(۱۹) شیخ محمد شفیع بہاری
(۲۰) شیخ ابوالخیر ٹھٹھوی سندھی

(۲۷) مولوی خیرالدین ابوالخیر : مولوی خیرالدین ابوالخیر مولانا
مفتی صدرالدین خاں آزردہ دہلوی کے داماد تھے
آزردہ کے داماد اور مولوی لطف اللہ کشمیری [illegible] ۔ مولانا فخرالدین
امان اللہ شہید کے بھائی تھے جو نادر شاہ کے حملے ۴۸ میں
شہید ہوگئے تھے ۔ مولوی خیرالدین حضرت [illegible] کی اولاد

(۲۱) ملا وجیہ الرب

(۲۲) مولانا سید محمد فائق

(۲۳) علامہ ابوالفرح معروف بہ سید معدن

(۲۴) قاضی القضاۃ ملا غلام احمد لاہوری

(۲۵) ملا ضیاء الدین محدث

(۲۶) ملا حیدر قاضی خان کشمیری ۱ھ

جن حضرات کے اسماء گرامی اوپر ذکر کئے گئے ہیں اور جن کو اس شاہکار کتاب کی تدوین کی سعادت نصیب ہوئی ہے وہ آسمان علم وفن کے آفتاب و ماہتاب اور بحر فقہ و اصول کے شناور اور اپنی دقیقہ شناسی ژرف نگاہی اور تبحر علمی میں فخر روزگار تھے ۔ ان کے اس علمی کارنامہ کو دیکھ کر ان سے اپنے علمی تعلق جذباتی لگاؤ اور دل میں نہاں تاثرات کے اظہار کے لئے بیدل عظیم آبادی کے یہ اشعار دل و دماغ میں گونجنے لگتے ہیں ؎

مگو گذشتہ رفیقاں ز دل فراموشند !
کدام نالہ کہ در پردہ آتش نمی جوشند
چراغ انجمنے حیرت نظر بودند
کنوں بہ پردہ دل داغ ہائے خاموشند
نہ رفتہ اند ازیں بزم تا سخن باقی است !
نہ دیدہ رفت حریفاں ہنوز در گوشند !

اب ان حضرات کے حالات ملاحظہ ہوں

ملا نظام برہانپوری

ملا نظام برہانپوری کا شمار اپنے زمانہ کے سربرآوردہ علماءٔ

کے شاگرد تھے جو درگاہ حضرت نظام الدین میں مدفون
ہیں۔ بادشاہ اورنگ زیب کے زمانے میں اس کے مطابق
مولوی خیر الدین بھی علماء کی اس کمیٹی کے مرتبین میں شامل
کر لئے گئے تھے۔ (نادر ۲۹ ... ۱۸۶۰ء ص: ۴۷)

میں ہوتا تھا۔ علوم دینیہ میں کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ اور فقہ میں درجہ اجتہاد پر فائز تھے۔ عالمگیر اورنگ زیب کے دل میں ان کے تبحر علمی کی وجہ سے بڑی قدر تھی اور ان کی وقعت و منزلت کا ہمیشہ پاس رکھتا تھا۔ وہ عالمگیر کی شہزادگی کے زمانے سے چالیس سال تک اس کے ساتھ رہے۔ عالمگیر اکثر ان کو خلوت میں بلا کر احیاء العلوم کیمیائے سعادت پر مذاکرے کرتا تھا۔ اس طرح فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے زمانے میں بادشاہ کی نظر میں کوئی مسئلہ کھٹکتا تو اس پر شیخ نظام سے بحث وتمحیص کرتا تھا۔ [۳۲]

تقرب کا یہ حال تھا کہ شاہزادہ سلطان کا عقد راجہ کشتوارآباد کی لڑکی سے ان ہی نے پڑھایا اور جب شاہزادہ کا انتقال ہوا تو بموجب حکم شاہی ان ہی نے شاہزادہ کو حضرت قطب الاولیاء خواجہ قطب الدین بختیار کعکی کے جوار میں سپرد خاک کیا۔[۳۳] اسی طرح دربار میں ان کے لئے کورنش و تسلیم کی کوئی پابندی نہ تھی۔ [۳۴]

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین اور دوسری خدمات کے سلسلے میں عالمگیر نے شیخ کو غیر معمولی شاہانہ الطاف و اکرام سے نوازا۔ مستعد ساقی خان مولف مآثر عالمگیری کا بیان ہے کہ سنہ ۱۰۹۰ھ میں قبلہ عالم نے شیخ نظام کو مقرب خان کے لقب سے سرفراز فرما کر شش ہزاری، پنج ہزاری سوار کا منصب عطا فرمایا اور خلعت خاص و شمشیر و خنجر مروارید، سپر مرصع و علم و نقارہ اور ایک لاکھ روپے نقد اور تیس عربی و عراقی گھوڑے اور ہاتھی بھی مرحمت کئے۔ [۳۵]

عالمگیر نامہ کے مولف کاظم شیرازی نے انھیں "قدوۃ علماء کرام" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ انھوں نے شاہی ملازمت کا زمانہ عزت اور احترام سے بسر کیا۔ سنہ ۱۰۹۲ھ میں وفات پائی اور برہانپور میں سپرد خاک ہوئے۔ [۳۶]

مولانا جلال الدین مچھلی شہری

مولانا جلال الدین مچھلی شہری قاضی ثناء الدین

جعفری کے اولاد سے تھے جو سلطنت دہلی کے زمانہ میں پھلی شہر کے قاضی تھے۔ علم و فقہ اور فضل و کمال میں مولانا موصوف یگانۂ روزگار اور عدیم المثال تھے۔ بحث و مباحلہ کی ان کے اندر خداداد صلاحیت تھی۔ مخالفین ان کے طرز کلام اور وجوہ استدلال کے سامنے دنگ رہ جاتے تھے اور ان کی قوت گویائی دامن بچا کر بھاگتی تھی۔ فن خطابت اور مناظرہ میں بھی لاثانی تھے۔ آپ کی قادر الکلامی حاضر دماغی اور حاضر جوابی ضرب المثل تھی۔ پھلی شہر میں ہی داعی اجل کو لبیک کہا اور راہی ملک بقا ہوئے اور خالق حقیقی سے جا ملے۔ فتاویٰ کا ربع اول ان کی زیر نگرانی تالیف ہوا۔ [illegible]

مفتی وجیہ الدین گوپاموی

شیخ وجیہ الدین گوپاموی [illegible] میں گوپامو ضلع ہردوئی میں پیدا ہوئے ان کے والد شیخ علی محدث صوفی اور فقیہہ تھے۔ پہلے ملتان میں سکونت پذیر ہوئے پھر ناساز گاری حالات کے باعث ملتان کو خیرباد کہا اور قصبہ گوپامئو میں سکونت پذیر ہوئے۔

ملا وجیہ الدین نے پہلے اپنے والد اور اس کے بعد اپنے نانا شیخ جعفر امیٹھوی سے تعلیم پائی۔ شاہ جہاں کے عہد حکومت میں دہلی آئے اور شہزادہ داراشکوہ کے معلم مقرر ہوئے۔ ملا وجیہ الدین کا شمار اپنے وقت کے مشہور ماہرین علم معانی و بیان میں ہوتا تھا۔ انھیں علم فقہ پر پوری دسترس حاصل تھی۔ احادیث پر بھی محققانہ نظر تھی ذہانت و ذکاوت بلا کی پائی تھی۔

ملا وجیہ الدین عالمگیر کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد گوپامئو چلے گئے اور وہاں جا کر گوشہ گیر ہو گئے۔ مگر [illegible] میں جوہر شناس عالمگیر نے ان کو دربار میں بلا کر منصب عطا کیا۔ اور فتاویٰ کے ربع حصہ کی تالیف کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی اور کچھ فضلاء ان کی مدد [illegible] کے لئے مقرر کئے گئے۔

ان کی تحریر میں بلا کی کشش اور تقریر میں دلآویزی و دلکشی تھی۔
شنگرف نامہ کا مولف ان کے متعلق یوں رقمطراز ہے۔
"و درسن نہم جلوس والا بہ ہمنوی بخت بیدار بدرگاہ کیواں جاہ رسیدہ بمنصب سرفراز گردید و ترتیب و تالیف از ربع فتاوی عالمگیری شاہی مامور شد و دہ کس دیگر از فضلاء بہ مدد و اعانت او مقرر شدند"[۳۸]

۱۰۸۳ھ میں ۷۸ سال کی عمر میں آپ نے جان جاں آفرین کے سپرد کردی۔ میت کو کچھ دنوں دھلی میں محفوظ رکھنے کے بعد ایک تابوت کی شکل میں گوپامو لایا گیا اور اس مسجد میں سپرد خاک ہوئے جو آپ کے نام سے مشہور ہے۔[۳۹]

مفتی محمد اکرم لاہوری

مفتی محمد اکرم لاہوری ملا یحیٰی کے فرزند تھے۔ متداولات اور کتب درسیہ پر کامل عبور رکھتے تھے۔ مرآۃ العالم کے بیان کے مطابق صلاح و تقویٰ، حلم و بردباری ان کے نمایاں اوصاف تھے۔ شاہزادہ کام بخش کے معلم اور عنایات شاہی سے سرفراز تھے۔[۴۰] علم فقہ کے متبحر عالم تھے۔ عالمگیر ان کے وسیع علم کے پیش نظر ان کو "اعلم" کہا کرتا تھا۔ فتاویٰ عالمگیری کا ایک ربع انکی کوششوں سے مرتب ہوا۔

مستعد ساقی خان کے بیان کے مطابق وہ موروثی مفتی تھے اور قاضی عبداللہ کے انتقال کے بعد اردوئے معلی کے قاضی مقرر ہوئے۔[۴۱]

ستر سال سے زیادہ عمر پاکر ۱۰۹۴ھ میں راہی ملک بقا ہوئے۔ اور اورنگ آباد میں مدفون ہوئے۔[۴۲]

قاضی محمد حسین جونپوری

قاضی محمد حسین جونپوری شاہجہاں کے زمانہ میں جونپور کے

قاضی تھے۔ عہد عالمگیری کے آغاز میں الہ آباد کے قاضی مقرر ہوئے۔ علم و فضل کے پیکر اور دیانت داری و راست گوئی کے مجسمہ تھے۔ [illegible] میں الہ آباد سے دہلی بلائے گئے اور لشکر شاہی کے منصب مقرر ہوئے۔ منکرات اور لہو و لعب کے آلات کے سخت دشمن تھے۔ مرآۃ العالم کے مولف کا بیان ہے کہ ان کی وجہ سے احکام دینیہ کی بہت ترویج ہوئی۔ فتاویٰ عالمگیری کے ایک ربع کی تالیف ان کے ذمہ تھی۔ چنانچہ مرآۃ العالم کا مولف لکھتا ہے۔

ربعی از فتاویٰ عالمگیر شاہی باہتمام او بزینت اتمام یافت [illegible]

[illegible] میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور دہلی میں مدفون ہوئے [illegible]

معاونین تالیف فتاویٰ عالمگیری

شیخ رضی الدین بھاگلپوری

شیخ رضی الدین بھاگلپوری بھاگلپور بہار کے شرفاء میں سے تھے۔ اور قلم کے علاوہ تلوار کے بھی دھنی تھے۔ عملداری و ندیمی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ اپنی سلیقہ شعاری، اور قابلیت کی بدولت منصب امارت پر فائز ہوئے۔ تلپٹ کے علاقہ میں گوگل جاٹ کے فساد برپا کرنے پر حسن علی خان کے زیر قیادت اس باغی کی سرکوبی کی اور صلہ میں خان کا خطاب پایا۔ [illegible]

مآثر عالمگیری کے مولف مستعد ساقی خان نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ

شیخ رضی الدین مولفین فتاوی عالمگیری میں شامل تھے۔ اور تین روپیہ یومیہ ان کی تنخواہ مقرر تھی۔ شیخ رضی الدین علاوہ ایک فاضل متبحر ہونے کے فن سپہ گری میں کامل تھے اور علمداری وندیمی وغیرہ کمالات میں بھی ان کو کافی دستگاہ تھی حضور پر نور کے مقسب قاضی محمد حسین و مقرب درگاہ بختاور خان نے ان کمالات وہمہ گیر قابلیت سے قبلہ عالم کو آگاہ کیا۔ بادشاہ جوہر پرور نے ان کو ایک صدی منصب دار مقرر فرمایا۔ رفتہ رفتہ حسین علی خاں کی اعانت وامداد اور اپنی سلیقہ شعاری سے مرتبہ امارت پر فائز ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے یعنی ۱۱۰۱ھ میں ایک سپاہی کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔ اور راہی ملک بقاء ہوئے ۲۰؎

اقبال نے ان ہی جیسے حضرات کے متعلق کہا ہے۔

تکیہ بر حجت و اعجاز بیاں نیز کنند!\
کار حق گاہ بہ شمشیر و سناں نیز کنند\
گاہ باشد کہ تہ خرقہ زرہ می پوشند\
عاشقاں بندہ حال اند چناں نیز کنند

میر سید محمد قنوجی

میر سید محمد قنوجی ریاضی اور ادب کے ماہر تھے۔ آپ قنوج کے رسولدار سادات میں سے تھے۔ فقر و تصوف کی چاشنی مزاج میں داخل تھی۔ اور سلسلہ چشتیہ میں بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے۔

عالمگیر نے امام غزالی کی اکثر کتابیں خصوصًا احیاء علوم الدین ان ہی سے پڑھی، تخت نشینی کے بعد بھی عالمگیر اورنگ زیب نے ان سے علمی تعلقات کو باقی رکھا۔ اور ہفتہ میں تین دن جب بادشاہ کی مجلس ہوتی تو اس میں میر سید محمد قنوجی ضرور شریک ہوتے تھے۔

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں بھی شریک رہے[۴۸] ۱۰۹۱ھ میں جب کہ وہ عالمگیر سے اجمیر ملے تھے جس کا ذکر مآثر عالمگیری کا مولف اس طرح کرتا ہے ۲۰ محرم کو جامع الکمالات میر محمد قنوجی تخت گاہ سے آستانہ شاہی پر حاضر ہوئے اور شرف باریابی سے شاد کام ہو کر ایک ہزار روپیہ اور دو خوان میوہ کے عطیات سے سرفراز ہوئے[۴۹]

عالمگیر اپنے بعض اہم خانگی کام ان ہی کی نگرانی میں انجام دیتا تھا۔ مثال کے طور پر شہزادہ محمد اعظم کا نکاح ان ہی کی امارت میں انجام پایا[۵۰] اسی طرح جب شاہ جہاں کا انتقال ہوا اور اسکی تجہیز و تکفین شاہی غسل خانہ میں ہوئی تو وہ بھی موجود تھے۔ اور موت سے پہلے شاہ جہاں کی زندگی میں بھی اسکی نظر بندی کے زمانہ میں اسکے مونس و دمساز رہے۔

ان کے لڑکے سید احمد خان کو عالمگیر نے محتسب کے عہدہ پر مامور کیا[۵۱] ۱۰۹۱ھ کے بعد انتقال کیا۔ اور قنوج میں اپنے عالیشان باغ میں مدفون ہوئے حاشیہ مطول ان کی علمی یادگار ہے۔[۵۲]

ملا حامد جونپوری

ملا حامد جونپوری شیخ عبدالرحیم جونپوری کے فرزند ارجمند اور خانوادہ علمی کے چشم و چراغ تھے۔ عالم شباب ہی میں جونپور سے دہلی آ گئے تھے جہاں ملا شفیعائے یزدی (دانشمند خان) اور میرزا زاہد ہروی جیسے باکمال موجود تھے۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان اہل کمال حضرات سے علمی استفادہ کیا اور ان حضرات کے خوان علم کی زلہ ربائی اور خرمن ادب و دانش کی خوشہ چینی میں مصروف رہے۔

شاہجہاں کے دور حکومت میں منصب سے سرفراز کئے گئے اور چونکہ

جملہ کمالات علمی سے آراستہ اور عقل و دانش سے بہرہ ور تھے اس لئے دور عالمگیری میں شہزادہ محمد اکبر کے معلم مقرر ہوئے ۔[۵۳]

مرآۃ العالم کے مولف کا بیان ہے کہ وہ فتاوی عالمگیری کی تالیف و تدوین میں شریک تھے ۔[۵۴]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد شاہ عبد الرحیم تالیف فتاوی میں مدد گار کے مددگار تھے [۵۵]

انھوں نے زندگی کے آخری ایام جونپور ہی میں بسر کئے ۔ ان کی ایک علمی یادگار حاشیہ تفسیر بیضاوی امپیریل لائبریری کلکتہ میں موجود ہے ۔[۵۶]

ملا محمد جمیل جونپوری

ملا محمد جمیل جونپور جیسے مردم خیز سرزمین میں پیدا ہوئے ۔ آپ کا سن ولادت ۱۰۵۵ھ ہے ۔ آپ علمی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے ۔ ابتدائی تعلیم شرفاء کے طریقہ پر گھر ہی پر حاصل کی اور ایک وقت وہ آیا کہ آپ کے تبحر علمی اور دقیقہ سنجی کی چار دانگ عالم میں شہرت ہو گئی اور کیوں نہ ہو کہ آپ کے دادا ملا شمس نور، چچا ملا صادق اور ملا خلیل اور آپ کے پدر بزرگوار ملا عبد الجلیل اپنے عہد کے مشاہیر فضلاء میں شمار ہوتے تھے ۔

رفتہ رفتہ پایۂ تخت دہلی تک آپ کے علم و فضل کی رسائی ہوئی اور علم نواز و قدرداں بادشاہ نے آپکو تدوین فتاوی عالمگیری میں معاونت کے لئے پایہ تخت طلب کر لیا ۔

آپ وجیہہ و شکیل ہونے کے ساتھ ساتھ کمالات باطنی سے آراستہ و پیراستہ تھے ۔ صاحب تصنیف و تالیف تھے ۔ شرح جامی پر حواشی لکھنے کے علاوہ فقہ پر ایک رسالہ

تحریر کیا۔ تصوف میں ایک کتابچہ ان کی علمی یادگار ہے۔ ۱۱۲۳ھ میں جونپور ہی میں راہی ملک بقا ہوئے۔

قاضی سید علی اکبر سعد اللہ خانی الہ آبادی

قاضی سید علی اکبر سعد اللہ خانی اصول فقہ اور علوم عربیہ کے نامور فضلاء میں سے تھے۔ سعد اللہ خان وزیر (م ۱۰۶۶ھ) کے مقربین و ندماء میں سے تھے۔ جس کے سبب سعد اللہ خان ان کے نام کا جزو لاینفک بن گیا۔

سعد اللہ خان نے ان کے تبحر علمی اور فضل و کمال کے سبب اپنے بیٹے لطف اللہ خان (م ۱۱۱۱ھ) کا اتالیق مقرر کیا اور اس کے بعد اورنگ زیب عالمگیر نے ان کی قابلیت خداداد اور جلالت شان کی بناء پر ان کو اپنے فرزند ارجمند محمد اعظم کا اتالیق مقرر کیا۔ اور اصول فقہ اور فقہ میں ان کی غواصی کی بناء پر فتاوی عالمگیری کے مولفین کی جماعت میں شامل کر لیا گیا۔

مرآۃ العالم کا مصنف ان کی خداداد صلاحیت، بحر علم کی شناوری اور علوم فقہ میں مہارت کی ان الفاظ میں تصویر کشی کرتا ہے۔

اکثر فنون دانش ورزیدہ و بر غوامض و دقائق علوم آگہی داشت در علم فقہ نیک محضر بود۔

اس کے بعد وہ لاہور کے منصب قضاء پر متمکن ہوئے۔ قضاء میں نہایت بلند کردار اور اس عالی مقام منصب کے جوہر شناس تھے۔ احتساب میں کسی مجاملت کے قائل نہ تھے۔ حدود و تعزیرات شرعیہ میں صاحب عزیمت تھے۔ محمود و ایاز میں ان کے یہاں کوئی تفریق نہیں تھی۔

صاحب تصنیف وتالیف تھے. فارسی زبان کی مشہور درسی کتاب فصول اکبری اور عربی زبان میں اصول اکبری اور اس کی شرح جو علم صرف سے متعلق ہیں ان کی علمی یادگار ہیں۔

وہ آخر لمحہ تک منصب قضاء پر فائز رہے۔ یہاں تک کہ لاہور کے صوبہ دار امیر قوام الدین اصفہانی نے حدود و تعزیرات میں ان کی سختی و عزیمت کی بناء پر کوتوال شہر نظام الدین سے سازباز کر کے انھیں قتل کرادیا۔ اور آپ ۱۰۹۰ھ میں جام شہادت نوش فرماکر شاہد حقیقی سے جا ملے۔ اور علم و فضل کا یہ ماہتاب گہن آلود ہوگیا ۵۹

شیخ نظام الدین ٹھٹھوی سندھی

شیخ نظام الدین ٹھٹھوی سندھی صوبہ سندھ کے مشہور شہر ٹھٹھہ کے باشندہ تھے۔ آپ کے آباء و اجداد نے شیراز کی سکونت ترک کر کے ہرات میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ لیکن آپ کے خاندان کے ایک بزرگ شیخ شکر اللہ بن وجیہہ الدین نے ۹۲۷ھ میں ٹھٹھہ میں مستقل اقامت اختیار کرلی تھی، آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ شیخ نظام الدین ابن نور محمد بن شکر اللہ بن ظہیر الدین بن شکر اللہ بن وجیہہ الدین۔

آپ کو فقہ اور اصول فقہ میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ آپ ٹھٹھہ سے دہلی تشریف لائے اور فتاویٰ عالمگیری کے مولفین کی جماعت میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ فتاویٰ کے سلسلہ میں انھوں نے بہت سے پیچیدہ اور مشکل مسائل کی عقدہ کشائی کی۔

دہلی میں کچھ عرصہ تک قیام کے بعد پیام اجل آیا۔ اور آغوش موت میں ہمیشہ کی

نیند سو کر راہی ملک بقا ہوئے۔ ۱۱۱۵ھ

علامہ ابوالواعظ ہرگامی بدایونی

علامہ ابوالواعظ بن محمد اسمٰعیل بن قاضی عماد الدین عمر بدایونی ہرگامی فتاوی عالمگیری کے مدونین کی جماعت میں شامل تھے۔ آپ کے دادا قاضی عماد الدین وہ پہلے شخص ہیں جو ہرگام میں آکر آباد ہوئے۔ آپ کے جد بزرگوار نے ہرگام کے قاضی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ جنھوں نے ان کی خداداد صلاحیت علمی قابلیت اور جوہر ذاتی سے متاثر ہو کر اپنی دختر نیک اختر کو ان کے حبالہ عقد میں دے دیا۔ اور اس طرح یہ شادی ہرگام میں ان کی مستقل خانہ آبادی اور سکونت کا ذریعہ بن گئی۔

علامہ ابوالواعظ اسی علمی گھرانے کے نامور فرزند تھے۔ ہرگام ہی میں پلے بڑھے اور علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ آپ کا شمار اپنے دور کے اکابر علماء و فضلاء میں تھا۔ تمام عمر درس و تدریس کا شغل رہا۔ فرمانروائے ہند محی الملۃ اورنگزیب عالمگیر بھی آپ کے شاگردوں اور منتسبین کی فہرست میں شامل تھے۔

گلشن درس و تدریس کا یہ نغمہ سرا بلبل بھی ایک دن خاموش ہو گیا اور ہرگام نے دہلی و اورنگ آباد کے بجائے شہر خموشاں کا اپنی مستقل رہائش و سکونت کے لئے انتخاب کیا۔ شاعر نے ایسے ہی موقع کے لئے کہا تھا۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

شیخ احمد گوپامئوی

شیخ احمد بن ابو منصور گوپامئو کے زرخیز خطہ میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ تحصیل علم اپنے والد شیخ

ابو منصور اور علامہ شیخ احمد ابن ابو سعید المیٹھوی معروف بہ ملا جیون المتوفی ۱۱۳۰ھ مصنف تفسیر احمدی، و نور الانوار سے کیا۔ آپ فقہ اصول فقہ اور ادب عربی کے ماہر تھے کچھ ہی دنوں میں آپ کا شمار اکابر فقہائے حنفیہ میں ہونے لگا۔ قسمت نے یاوری کی اور فتاوی عالمگیری کے مدونین کی جماعت میں شامل کئے گئے۔

شاہ اورنگ زیب کی جانب سے تدوین کی خدمات کے سلسلہ میں ایک روپیہ یومیہ اور کچھ غلہ وظیفہ مقرر ہوا۔ [۲۵]

آخری عمر میں اپنے مربی و شیخ احمد ابن ابو سعید معروف بہ ملا جیون کے ساتھ عازم حجاز ہوئے۔ حج کی سعادت حاصل کی اور حجاز کی مقدس سرزمین میں جو قلب و نظر کے لئے باعث تسکین اور روح و وجدان کے لئے فرحت بخش و جانفزا ہے۔ جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ وہاں کی موت اور جنۃ البقیع و جنۃ المعلی کی خاک کا میسر آجانا ایک مسلمان کے لئے باعث مسرت ہی نہیں بلکہ باعث صد افتخار ہے۔

علامہ اقبال کو جب کسی نے یہ اطلاع دی کہ حجاز مقدس میں شفاء خانے تیار ہو رہے ہیں اور اس میں مریضوں کی سہولت کا بہتر سے بہتر انتظام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے تو انھوں نے ایک سرد آہ بھری اور فرمایا ؎

اوروں کو دیں حضور یہ پیغام زندگی!
میں موت ڈھونڈتا ہوں زمین حجاز میں

شیخ محمد غوث کاکوروی

شیخ محمد غوث کاکوروی ۱۰۵۶ھ میں کاکوری میں پیدا ہوئے آپ کا سلسلہ نسب چھبیس [۲۶] واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔ آپ نے ابتدائی کتابیں شیخ

زماں کاکوروی سے پڑھیں اور مطولات کے لئے علامہ ابوالواعظ ہرگامی بدایونی اور شیخ قطب الدین شہید بن عبدالحلیم سہالوی سے رجوع کیا۔ اور کتب احادیث کے لئے شیخ ابویوسف یعقوب بنانی لاہوری (مصنف الخیر الجاری فی شرح صحیح البخاری، المعلم فی شرح صحیح مسلم۔ اور المصفیٰ فی شرح الموطا وغیرہ م ۱۰۹۸ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ پھر بادشاہ عالمگیر سے تعلقات پیدا ہو گئے اور فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شامل ہو گئے۔

فتاویٰ کی تدوین کی تکمیل کے بعد صوبہ اودھ میں جزیہ وصول کرنے پر متعین کئے گئے اور اس کے ساتھ تدریس و افادہ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ۷۲ سال کی عمر پاکر ۲۶ صفر ۱۱۱۸ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی۔[۶۲]

شیخ فصیح الدین جعفری پھلواروی

علامہ شیخ فصیح الدین جعفری پھلواروی اہل پھلواری (پٹنہ بہار) کے مورث اعلیٰ امیر عطاء اللہ جعفری کے پڑپوتے تھے۔ حصول علم کے لئے دہلی گئے۔ اور ملا وجیہ الدین کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ دہلی میں شیخ احمد بن ابوسعید (ملا جیون) سے بھی استفادہ کیا۔ اپنے استاذ ملا وجیہ الدین کی وساطت سے عالمگیر کے دربار میں رسائی ہوئی اور تبحر علمی کی بناء پر مدونین فتاویٰ عالمگیری میں شریک ہو گئے۔

شاہ اورنگ زیب عالمگیر نے مدد معاش کیلئے ایکسو بیگھہ اراضی اور ایک روپیہ یومیہ وظیفہ مقرر کیا۔

تدوین فتاویٰ کے بعد دہلی سے اپنے وطن پھلواری شریف واپس آگئے اور اپنے آبائی مدرسہ میں تدریس و افادہ میں مشغول ہو گئے۔

سنہ ۱۱۱۹ھ کو پھلواری شریف (پٹنہ) میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ ۶۳

شیخ عبدالفتاح صمدانی جونپوری

شیخ ابوالفرج عبدالفتاح بن ہاشم حسینی صمدانی جونپوری کا شمار دورِ گذشتہ کے مشاہیر فقہاء ہند میں ہوتا ہے۔ مرکز علم جونپور میں سید محمد جونپوری سے اخذ علم کیا۔ پھر دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں السید محمد زاہد بن محمد اسلم ہروی (م ۱۱۰۱ھ) کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے اور علم و فضل میں یہاں تک ترقی کی کہ علماء عظام کی اس جماعت میں شامل ہونے کا فخر حاصل کیا جنھوں نے فتاویٰ عالمگیری مدون کرنے کی علمی و فقہی خدمت انجام دی۔ ۶۴

قاضی عصمت اللہ لکھنوی

قاضی عصمت اللہ لکھنوی قاضی عبدالقادر عمری لکھنوی (م ۱۰۷۶ھ) کے فرزند اکبر تھے۔ ان کا سلسلہ نسب اٹھارہ واسطوں سے مشہور بزرگ اور شہرہ آفاق اہل دل حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ آپ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے والد قاضی عبدالقادر عمری لکھنوی اور مفتی وجیہ الدین گوپاموی سے تعلیم حاصل کی۔ طریقت و سلوک کی منزلیں طے کرنے کیلئے شیخ پیر محمد سلونی (م ۱۰۹۹ھ) سے منسلک ہوئے پھر اورنگ زیب عالمگیر سے رابطہ پیدا ہو گیا۔ اس نے ان کو مراد آباد کا والی مقرر کر دیا اور اس عہدہ پر ایک طویل مدت تک فائز رہے۔ اس کے بعد مختلف مناطق میں منتقل ہوتے رہے۔

بڑے سخی اور ایثار پیشہ تھے۔ مستحقین پر خرچ کرنے میں دریغ نہ کرتے علماء

ومشائخ کے بڑے قدرداں تھے۔ آپکو بھی فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔

آپ کی وفات ساحل نربدا پر اس وقت ہوئی جب آپ دکن سے لوٹ رہے تھے۔ یہ شنبہ کی رات ۱۲ / ۱۱ رجب ۱۱۲۳ھ کا واقعہ ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ستر سال تھی خلدہ اللہ الدار النعیم تاریخ وفات ہے ۱۱۲۳ھ

مفتی ابوالبرکات دہلوی

مفتی ابوالبرکات دہلوی اپنے عہد کے کبار فقہاء حنفیہ میں سے تھے۔ اس عظیم المرتبت فقیہ اور عالم باکمال اور فاضل عصر کا سلسلہ نسب یہ ہے

مفتی ابوالبرکات بن حسام الدین بن سلطان بن ہاشم بن رکن الدین بن جمال الدین بن سماء الدین حنفی دہلوی

آپ دہلی میں پیدا ہوئے اور اس شہر کی بلند پایہ علمی فضاء میں تربیت پائی اور تعلیم [illegible] علماء عصر سے استفادہ کیا۔ عہد عالمگیری میں پہلے دہلی کی مسند افتاء پر پھر اسی شہر کی مسند قضاء پر متمکن ہوئے

شمس التواریخ کے بیان کے مطابق آپ بھی فتاوی عالمگیری کے مدونین کی نیا طالع جماعت میں شامل تھے۔

آپ تصنیفی شغل [illegible] رکھتے تھے۔ چنانچہ فقہی مسائل کے متعلق آپکی ایک تصنیف ہے جس کا نام مجمع البرکات ہے اور دو عظیم جلدوں میں ہے۔ بعض مورخین کے بیان کے مطابق اسی عظیم تالیف کے صدقہ میں آپکو عالمگیری کے مدونین کی جماعت میں شامل کیا گیا۔ ۱۱۲۶ھ

قاضی عبدالصمد جونپوری

آپ کا شمار اپنے زمانہ کے جید علماء اور فقہ واصول

کے ماہر اپنا میں ہوتا تھا۔ آپ درس نظامی کی مشہور کتاب "رشیدیہ" کے مصنف محمد رشید بن مصطفیٰ عثمانی جو بنوری (م ۱۰۸۳ھ) کے بھتیجے اور شاگرد تھے۔ ایک طویل مدت تک اپنے چچا محمد رشید جونپوری سے وابستہ رہے۔ یہاں تک کہ مروجہ علوم و فنون میں اپنے تمام معاصرین سے فوقیت لے گئے پھر آپ دہلی تشریف لے گئے اور وہاں علمائے کرام کی اس جماعت میں شریک کئے گئے جو فتاویٰ عالمگیری کی تدوین پر مامور تھی۔ پھر دکن کے ایک شہر میں عہدۂ قضاء پر فائز کر دیئے گئے اور ایک طویل مدت تک اس منصب پر متمکن رہے پھر لکھنؤ منتقل ہو گئے اور وہاں آٹھ سال قیام پذیر رہے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے انھیں کئی گاؤں عطا کئے ۲۷ رجب کو بلاد دکن میں وفات پائی اور ان کی نعش دہلی لائی گئی اور قاضی باغ میں مدفون ہوئے۔ ؎۶۷

قاضی محمد دولت فتحپوری

قاضی محمد دولت ابن محمد یعقوب بن فرید سعد اللہ بن احمد بن حافظ الدین انصاری سہالوی موضع سہالی میں پیدا ہوئے۔ وہیں نشو و نما پائی اور شیخ قطب الدین شہید بن عبد الحلیم سہالوی سے علم حاصل کیا۔ اپنے زمانہ کے فضلائے علماء حنفیہ میں سے تھے۔ فتحپور سے دہلی گئے اور فتاویٰ عالمگیری کے مولفین کی جماعت میں شامل ہو گئے۔

چونکہ یہ شیخ محب اللہ الہ آبادی سے تعلق قرابت رکھتے تھے اس لئے سید محمد حسین قنوجیؒ اورنگ زیب عالمگیر سے ان کی سفارش کی اور اس نے انھیں شہر سورت کے محکمۂ قضاء پر متمکن کر دیا۔ قاضی مقرر ہو کر سورت جا رہے تھے کہ اثناء راہ میں راہزنوں نے انھیں قتل کر دیا۔ ؎۶۸

مولانا سعید سہالوی

مولانا سعید سہالوی شیخ قطب الدین شہید انصاری سہالوی کے بیٹے تھے۔ سہالی میں پیدا ہوئے اور عمر کی ابتدائی منزلیں وہیں طے کیں۔ اپنے والد شیخ قطب الدین شہید سے اخذ علم کیا اور کئی برس ان کی صحبت میں بسر کیے۔ علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔ باپ کی شہادت کے بعد سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے پاس گئے۔ ان دنوں وہ بلاد دکن میں تھا۔ بادشاہ سے انھوں نے اپنے والد کی شہادت کا واقعہ بیان کیا۔ اس نے ان کو لکھنو شہر میں ایک رفیع الشان محل عطا کیا۔ جو اس سے قبل ایک فرنگی تاجر کے قبضہ میں تھا۔ اور اسے خالی کر کے وہ اپنے وطن واپس چلا گیا تھا اس بناء پر اسے فرنگی محل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

محمد سعید سہالوی اورنگ زیب بادشاہ سے مل کر سہالی گئے۔ اہل و عیال و اعزہ و اقارب کو ساتھ لیا۔ مال و متاع سمیٹا اور لکھنو جا کر فرنگی محل میں اقامت گزیں ہو گئے۔ اس کے بعد دارالخلافت دہلی جا کر عالمگیر سے ملے اور فتاویٰ عالمگیری کے مدونین میں شامل ہو گئے۔ عین عالم شباب میں شاہ عالم کے عہد میں وفات پائی۔ ۱ھ

قاضی سید عنایت اللہ مونگیری

قاضی سید عنایت اللہ ابن قاضی سید عبدالغنی بن سید عبدالسلام ابن سید شاہ جمال الدین بن سید شاہ احمد بانی خاندان بارہ گاؤں سورج گڈھا، سورج گڈھا محلہ بنکسن ضلع مونگیر میں ۱۸۰۵ھ کے کسی قریبی تاریخ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد قاضی سید عبدالغنی سورج گڈھا کے اور بگجرا کے قاضی تھے۔ اس عہد کے دستور کے مطابق متوسط درجہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ دہلی پہنچے۔ شام کا وقت تھا ایک شخص کے مکان پر شب

باشی کی اجازت مانگی۔ اس نے ان کے اقوال سنکر اجازت دے دی۔ اور کھانا بھی کھلا دیا۔ رات جب زیادہ ہوگئی تو مالک مکان چراغ گل کرکے اندر جانے لگا۔ سید صاحب نے کہا کہ مجھے کچھ قرآن پڑھنا ہے۔ میں سوتے وقت چراغ گل کردونگا وہ اندر چلا گیا اور سید صاحب دیر تک قرآن مجید پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ کوتوال شہر گشت کرتا ہوا آنکلا۔ چونکہ سید صاحب بہت ہی خوش الحان تھے۔ اس لئے وہ دیر تک کھڑا سنتا رہا پھر سامنے آکر اس نے تمام حالات سے آگاہی حاصل کی اور جب اس کو ان کے علمی ذوق کا یقین ہو گیا تو اپنی سفارش سے شاہی مدرسہ میں داخل کرادیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے علم وفضل کا چرچا ہوا تو اورنگ زیب عالمگیر نے انہیں فتاوی عالمگیری کے مولفین میں شامل کرلیا۔ اور غالباً تکمیل کے آخری مرحلہ (۱۰۸۶ھ) تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد دوبارہ شاہی مدرسہ میں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے اور ۱۰۹۹ھ تک خدمت تدریس پر مامور رہے۔

اس اثناء میں ان کے والد عبدالغنی کا جو سورج گڈھ اور کھرا کے قاضی تھے انتقال ہوگیا کچھ عرصہ یہ جگہ خالی رہی پھر شرفاء سورج گڈھ کی درخواست پر ان کو انکے پدر بزرگوار کی جگہ قاضی بناکر بھیجدیا اور ان کے قضاء کی سند عطا کرتے وقت اورنگ زیب نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی دو عدد حمائل (قرآن مجید) قاضی عنایت کو عنایت فرمائی۔

قاضی صاحب اپنی وفات تک اس عہدہ پر فائز رہے اور سورج گڈھ جوکس ہی میں وفات پائی عہدہ قضا پر سرفراز کرتے وقت جو فرمان (۱) قاضی کو عنایت ہوا وہ آج تک محفوظ ہے۔

شاہ عبدالرحیم دہلوی

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد

حضرت شاہ عبدالرحیم فتاویٰ عالمگیری کے باقاعدہ مرتبین میں تو شامل نہ تھے البتہ اسکی ترتیب و تدوین کے بعد اس پر نظرثانی میں ان کا حصہ ہے۔ فتاویٰ کی ترتیب کے بعد اس پر نظرثانی کا مرحلہ آیا تو اس کے لئے ملا حامد جونپوری کا انتخاب عمل میں آیا۔ وہ علامہ محمد زاہد ہروی کے مدرسہ میں شیخ عبدالرحیم دہلوی کے ہم سبق رہ چکے تھے اور ان کی فقہی قابلیت اور علمی عظمت سے آگاہ تھے۔ ایک روز وہ شیخ عبدالرحیم کے پاس آئے اور کہا کہ اگر آپ فتاویٰ کی دوبارہ تدوین اور نظرثانی میں میری مدد کریں تو اسکے صلہ میں ایک معقول رقم روزانہ آپکی خدمت میں پیش ہوتی رہے گی۔ لیکن چونکہ شیخ کے مزاج میں استغنا تھا۔ اس لئے ملا حامد کی بات کو بے توجہی سے ٹال دیا۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ شیخ کی والدہ نے ان کی یہ بات سن لی اور بیٹے کو یہ خدمت قبول کرنے پر اصرار کیا چنانچہ انھوں نے والدہ کے حکم سے مجبور ہو کر نظرثانی کرنے کی درخواست قبول کرلی۔

آپ خصائل حمیدہ اور اخلاق ستودہ کے جامع تھے۔ شجاعت و فراست اور غیرت ان میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ عقل معاد کی طرح عقل معاش بھی کامل اور وافر طور پر رکھتے تھے۔ ہر معاملہ میں توسط و اعتدال کو پسند کرتے تھے۔ زہد و عبادت میں نہ اتنا تعمق اور غلو تھا کہ رہبانیت سے اس کے حدود مل جائیں اور نہ اتنی بے تکلفی اور وسعت کہ تساہل تک بات پہونچ جائے۔ لباس میں تکلف نہیں تھا۔ نرم اور سخت لباس جو بھی میسر آتا استعمال فرماتے یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان کو اچھا ہی لباس مرحمت فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی سب ضرورتیں پوری فرما دیتا تھا۔ بازار جاکر کسی چیز کے خریدنے کی مشکل ہی سے نوبت آتی۔ امراء و رؤساء کے گھروں پر تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ اس دروازہ کو کلیتہً بند کر رکھا تھا۔ ہاں اگر اس طبقہ کے لوگ خود زیارت کے لئے آتے تو آپ بڑی خندہ پیشانی اور اخلاق سے پیش آتے ان میں جو

زیادہ معزز ہوتا اس کا اسی طرح اعزاز کرتے اور اگر وہ نصیحت کی فرمائش کرتے تو بڑی نرمی کے ساتھ نصیحت فرماتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیتے تھے۔ ہمیشہ علم و علماء کی تعظیم کرتے جہالت اور جاہلوں سے نفور رہتے۔ ہر حال میں آثار نبوی کا تتبع کرتے۔ استقامت کی بات یہ ہے کہ کبھی ساری زندگی بغیر عذر کے جماعت فوت نہیں ہوئی۔ بچپن و جوانی میں کبھی منہیات کی طرف میلان نہیں ہوا۔ فروعی امور میں بیع و شراء سے بھی احتراز نہ کرتے۔ نہ متقشف علماء کی طرح پر تکلف ہیئت کی پابندی کرتے نہ آزاد فقراء و صوفیاء کے بے قید لباس کی بے تکلف زندگی گذارتے تھے۔ بغیر ضرورت کے قرض لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ طب میں بھی ذہن رسا پایا تھا۔

آپکو اللہ تعالیٰ نے تفقہ میں بھی حصہ وافر سے نوازا تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ ایک روز شیخ عبدالرحیم فتاویٰ کے ایک مقام کا مطالعہ کر رہے تھے کہ ان کی نظر ایسی عبارت پر پڑی جس میں بہت زیادہ اختلال تھا اور اس اختلال کی وجہ سے مسئلہ زیر بحث کی صورت ہی بدل گئی تھی۔ شیخ نے اسی وقت ملا حامد کو فتاویٰ عالمگیری کے مولف کی اس لغزش سے متنبہ کیا۔ اور فرمایا میرے نزدیک یہ عبارت مختل ہے اور اصل مسئلہ یوں معلوم ہوتا ہے لیکن ملا حامد جونپوری نے شیخ کی اس بات پر توجہ نہ کی اور مولف فتاویٰ کی وسعت نظر پہ بھروسہ کرتے ہوئے آگے بڑھنے کو ترجیح دی۔ شیخ نے اپنے نقطہ نظر کی تائید کے لئے جب مسئلہ زیر بحث کا ماخذ تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ دو کتابوں میں مختلف عبارتوں کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ مگر یہاں صورت حال یہ ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کے مولف نے دونوں عبارتوں کو بلا امتیاز ایک جگہ درج کر دیا ہے جس کی وجہ سے اختلال کی شکل پیدا ہو گئی ہے۔ لہذا شیخ نے فتاویٰ کے حاشیہ پر یہ عبارت

لکھدی من لم یتفقه فی الدین قد خلط فیه. هذا غلط وصوابه کذا.

جب ملا نظام (نگراں سررشتہ تدوین) معمول کے مطابق بادشاہ کے سامنے کتاب پڑھنے لگے اور اس مقام پر پہونچے جس کو شیخ نے مختل قرار دیا تھا تو انھوں نے حاشیہ متن کے ساتھ ملاکر پڑھ دیا۔ عالمگیر اس عبارت کو سن کر حیرت زدہ ہوا۔ اور جب اس نے دیکھا کہ ملا نظام برابر پڑھتے ہی جا رہے ہیں اور رکتے نہیں ہیں تو کہا۔ ایں عبارت چیست۔ ملا نظام روا روی میں اسی طرح پڑھ گئے۔ اب عالمگیر نے اس مقام کی وضاحت چاہی تو وہ کوئی جواب نہ دے سکے اور کہا میں نے اس مقام کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ کل تفصیل سے بتاؤں گا۔ ایں را مطالعہ نہ کردہ ام فردا بہ تفصیل عرض خواہم کرد۔

ملا نظام عالمگیر کے دربار سے ملا حامد کے پاس پہنچے اور ان سے شدید خفگی کا اظہار کیا۔ اور کہا میں نے یہ مسودہ آپ کے اعتماد پر چھوڑ دیا تھا۔ مگر آپ نے اس پر غور نہیں کیا اور مجھے بادشاہ کے سامنے سخت نادم ہونا پڑا۔ ملا حامد نے یہ بات سنی تو شیخ عبدالرحیم کے پاس آئے اور سارا قصہ بیان کیا۔ انھوں نے وہ دونوں کتابیں جو اس مسئلہ کا اصل ماخذ تھیں ملا حامد کے سامنے رکھ دیں اور عبارت کی بے ربطی اور اختلال واضح کیا۔

انتقال سے کچھ عرصہ پہلے شاہ عبدالرحیم جسمانی اعتبار سے بہت زیادہ کمزور ہو گئے تھے۔ اسی کمزوری کی حالت میں رمضان المبارک کے روزے رکھے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر میں ان کے پاس رہتا تھا اور ان کی زبان پر استغفر اللہ الذی لا الہ الا هو الحی القیوم کے الفاظ جاری رہتے۔ بالآخر ماہ صفر میں ان کی حالت زیادہ خراب ہو گئی۔ اس حالت میں بھی نماز کا بہت خیال رکھتے

اور وقت پر ادا فرماتے ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ کو طلوع ہونے سے پہلے ان پر موت کے آثار نمایاں ہوئے۔ اس کرب کے عالم میں بھی دل میں نماز کا خیال تھا اور جو لوگ ارد گرد بیٹھے تھے ان سے بار بار پوچھتے کہ فجر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ حاضرین نے ایک دفعہ پوچھنے پر کہا نماز کا وقت ہوا ہی چاہتا ہے اس پر قدرے سختی سے فرمایا۔ اگر تمہاری نماز کا وقت نہیں ہوا تو نہ سہی ہماری نماز کا وقت تو آپہنچا ہے۔ فرمایا مجھے قبلہ رخ کر دو چنانچہ قبلہ رخ کر دیئے گئے۔ نماز کے وقت میں اگرچہ شبہ تھا مگر آپ نے اشارہ سے نماز فجر ادا کی۔

شاہ عبد الرحیم نے بروز چہار شنبہ ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ کو ۷۷ سال کی عمر میں بعہد فرخ سیر دھلی میں وفات پائی اور مہندیوں میں دفن کئے گئے۔ لـه

شیخ محمد شفیع بہاری

شیخ محمد شفیع فتاویٰ عالمگیری کے مدونین میں سے تھے۔ آپ عہد عالمگیری کے متبحر اور ممتاز علماء میں سے تھے۔ عالمگیر کو ان سے بڑی عقیدت تھی آپ کو دربار شاہی کی طرف سے مولوی معنوی کا خطاب ملا تھا۔ بادشاہ کے علاوہ اکثر شاہزادگان بھی فیض صحبت کیلئے آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتے تھے۔ خاندانی روایات کے مطابق آپ دربار شاہی میں معلم اور اتالیق تھے مگر تاریخ اس سلسلہ میں خاموش ہے۔

آپ دادیہال کی طرف سے عثمانی اور ننھیال کی طرف سے سید تھے۔ آبائی وطن بغداد تھا۔ ان کے اجداد میں حضرت خواجہ محمد غزنوی بغداد سے ترک وطن کر کے غزنی وہاں سے سرہند پھر دہلی اس کے بعد بہار آئے اور وہاں بود و باش اختیار کر لی۔ ان کے خاندان کے بعض افراد ابھی تک سرہند اور دہلی میں موجود ہیں۔

آپ کی ابتدائی تعلیم کیونکر اور کہاں ہوئی روایت خاموش ہے۔ اسی طرح تذکروں

میں سن ولادت کا سراغ نہیں ملتا۔ سن وفات کے متعلق بھی تاریخی اوراق خاموش ہیں۔ صرف اہل خاندان کی روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے سو سال سے زیادہ عمر پائی اور ۱۱ شوال ۱۱۴۰ھ تک زندہ رہے۔

جب فتاوی کی تالیف کا کام شروع ہوا تو عالمگیر نے شیخ محمد شفیع کی خدمات حاصل کیں اور ایک روپیہ ۱۲ آنے یومیہ وظیفہ مقرر ہوا۔ پھر یومیہ وظیفہ کے بجائے ایک سو بیس بیگھہ اراضی پرگنہ اوکی میں دے دی گئی جس کی سند ان کے خاندان میں اب تک محفوظ ہے۔ ۳۵

شیخ ابوالخیر ٹھٹھوی سندھی

شیخ ابوالخیر ٹھٹھوی سندھی صوبہ سندھ کے مشہور شہر ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے۔ علم فقہ میں درک و مہارت رکھتے تھے اور فتاوی کے مدونین میں سے تھے۔ سندھ کے معروف عالم و بزرگ شیخ فضل اللہ سندھی کے فرزند تھے۔ جو مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی ترخان کے ہم عصر تھے۔ زہد و تقوی میں مقام عالی پر فائز تھے۔ ہمیشہ درس و تدریس اور افادہ علوم دینیہ میں مشغول رہتے تھے۔ ۳۶

ملا وجیہ الرب

ملا وجیہ الرب کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے البتہ مولوی معنوی محمد شفیع کو دربار شاہی کی طرف سے جو سند دی گئی اس میں ان کا بھی ذکر ہے۔ اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ بھی فتاوی کی تالیف میں شریک تھے۔ اور دربار شاہی سے ان کو وظیفہ ملتا تھا۔ سند کے الفاظ یہ ہیں۔

"بہ شرط جمع فتاوی عالمگیری بہ ہمراہی شیخ وجیہ الرب در وجہ مدد معاش

شیخ محمد شفیع ولد شیخ شریف محمد مقرر ہوا بحکم۔

مولانا سید فائق

مولانا سید محمد فائق فتاویٰ عالمگیری کے مدونین میں تھے۔ علم فقہ و اصول میں ان کو دستگاہ حاصل تھی۔ ہزاروں مسائل نوکِ زبان تھے۔ تدوین کے سلسلہ میں ڈھائی روپیہ روزانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ۳۵

امیر امیراں علامہ ابوالفرح معروف بہ سید معلان

امیر امیراں علامہ ابوالفرح معروف بہ سید معلان بھی فتاویٰ کے مدونین میں سے تھے۔ ان کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے۔ اس لیے کوئی تفصیلی بات ان کے بارے میں نہیں کہی جا سکتی۔ البتہ ان کے لقب منصبی اور لقب علمی سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ذی جاہ و منصب عالم تھے۔ اور خاص طور سے اپنے زمانہ کے مسلم الثبوت علماء میں سے تھے۔۳۶

قاضی القضاۃ ملا غلام احمد لاہوری

آثار الشرف کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی القضاۃ ملا اسلام احمد لاہوری فتاویٰ کے مدونین میں شامل تھے۔ لیکن ان کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے۔ ۳۷

ملا ضیاء الدین محدث

ملا ضیاء الدین محدث بھی فتاویٰ کے مولفین کی نیک طالع جماعت میں شامل تھے۔ آپ کے حالات

تذکروں میں نہیں ملتے۔ لیکن چونکہ فتاوی کی تدوین میں شامل تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم دینیہ اور خاص طور پر علم فقہ میں بلند پایہ رکھتے تھے خود ان کا لقب علمی "ملا" ان کے علو شان اور علو مرتبت کا شاہد عدل ہے کیونکہ اس زمانہ میں عام طور پر "ملا" اس دور کے علامہ کے مرادف تھا اور یہ علمی لقب ان ہی لوگوں کو دیا جاتا تھا جن کا علمی مقام کافی بلند ہوتا تھا جیسے ملا علی قاری وغیرہ

ملا حیدر قاضی خان

"کشمیر میں اسلامی ثقافت کے تاریخی مراحل" کے عنوان سے ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری نے ایک پر مغز مقالہ لکھا ہے جو معارف اکتوبر ۱۹۸۳ء میں چھپا ہے اس میں ڈاکٹر صاحب ایک ذیلی عنوان "اورنگ زیب کے فیوض" کے تحت لکھتے ہیں کہ سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کا دور اپنے اسلاف سے مختلف تھا۔ وہ بذات خود اسلام پسند اور بے راہ روی کا مخالف تھا جس کا کشمیر پر بھی اچھا اثر پڑا۔ اس نے یہاں باغات کے بجائے مسجدیں اور خانقاہیں تعمیر کیں..... اسی طرح اس نے مخلص متبحر اور دیندار علماء کی سرپرستی اور ہمت افزائی کی جس سے ان کے حوصلے نہایت بلند ہوئے اور انھوں نے آزادی سے کشمیر میں تعلیم اور اصلاح معاشرہ کے میدان میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ ان میں شیخ حیدر ملا حیدر قاضی، اور خواجہ معین الدین نقشبندی جیسے علماء شامل تھے۔ اورنگ زیب نے ملا حیدر کو قاضی خان کا لقب دیا تھا۔ اور وہ فتاوی عالمگیری کے مرتبین میں شامل تھے۔ شیخ حیدر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے تلمیذ رشید تھے۔ ان کی کوششوں سے کشمیر میں علم حدیث کی تعلیم و تدریس کا ذوق پیدا ہوا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

حوالہ جات

۱؎ مثال کے طور پر فتاویٰ غیاثیہ، فوائد فیروز شاہی، فتاویٰ تاتار خانیہ، فتاویٰ حمادیہ، فتاویٰ ابراہیم شاہی، فتاویٰ بابری، خزانۃ الروایات فتاویٰ ضیائیہ، زبدۃ الروایات، فتاویٰ عزیزیہ، فتاویٰ محمدیہ، فتاویٰ محمدیہ فتاویٰ نقشبندیہ، منتخب الفتاویٰ، فتاویٰ ناصریہ، جامع الفتاویٰ، فتاویٰ ارقضائیہ، البحار الزاخرۃ، فتاویٰ تورانیہ، مجموع البرکات، سراج منیر، فصول معصومیہ، فتاویٰ اشرفیہ، فتاویٰ شرفیہ۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ مولانا سید عبدالحی حسنی مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڈھ، اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں ص ۱۶۲

۲؎ علامہ اقبال نے اپنے فارسی مجموعہ کلام میں محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کو

درمیان کارزار کفر و دیں ترکش ما را خدنگ آخریں

اور

شعلۂ توحید را پروانہ بود چوں براہیم اندریں بت خانہ بود

جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے جس سے علامہ اقبال کے دل میں نہاں اورنگ زیب کی عظمت اور ان کی اسلام سے شیفتگی اور وفاداری کا اندازہ ہوتا ہے ملاحظہ ہو کلیات اقبال مطبوعہ لاہور

۳؎ تزک بابری ص

۴ ملاحظہ ہو تاریخ دکن : ڈاکٹر یوسف حسین خاں جامعہ عثمانیہ

۵ اورنگ زیب از اسٹینلی لین پول ص ۲۹

۶ اورنگ زیب از اسٹینلی لین پول ص ۱۵-۱۶

۷ حیات سرمد ص ۲۲

۸ Cambridge history of The world p175 Delhi 1970

۹ اورنگ زیب از اسٹینلی لین پول ص ۹۱

۱۰ اردو زبان جس خط میں لکھی جاتی ہے۔ وہ نستعلیق کہلاتا ہے۔ یہ لفظ دراصل "نسخ" اور "تعلیق" دو عربی لفظوں سے مل کر بنا ہے روزمرہ کی بول چال میں "نسخ و تعلیق" کو پورا ادا کرنا مشکل تھا۔ اس لئے زبان کے خراد نے نسخ اور ذ کو چھیل کر ہلکا پھلکا سا "نستعلیق" بنا لیا۔ خط نسخ ابھی بھی عربی میں موجود ہے۔ خواجہ تاج الدین سلمانی نے خط تعلیق ایجاد کیا۔ لیکن عرصہ ہوا اس کا چلن جاتا رہا۔ خط نستعلیق اپنی نوک پلک کی انتہائی نزاکت اور دوائر و مدات کی سخت اصولی پابندیوں کے باعث روزمرہ کی ضرورت میں آسانی سے کام نہ آسکتا تھا۔ اس لئے عہد شاہجہانی میں محمد شفیع ثانی نے ایک خط ایجاد کیا جو اس کے نام کی رعایت سے "شفیعا" کہلایا۔ یہ نستعلیق کے دائروں کو لمبا کرنے اور بعض حرفوں کو دوسرے کے ساتھ خلاف اصول ملا دینے اور شوشوں کی باریکی کو کم کر دینے سے پیدا ہوتا ہے۔ ہندوستانی منشیوں نے شفیعا کو اور رواں کرنا چاہا تو نتیجہ "شکست" کی شکل میں نکلا۔

۱۱ اورنگ زیب از اسٹینلی لین پول ص ۶۷

۱۲ اورنگ زیب از اسٹینلی لین پول ۔ صہ ۶۵

۱۳ " " " " صہ ۵۹

۱۴ " " " " صہ ۶۰-۶۱

۱۵ تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵ صہ ۴۳-۴۴

۱۶ سیرت اورنگ زیب کے اہم ماخذ کے لئے ملاحظہ ہو

(۱) تزک جہانگیری از جہانگیر ۲- اقبال نامہ جہانگیری از معتمد خان ۳- مآثر جہانگیری از عزت خان ۴- مجالس السلاطین از محمد شریف ۵- اقبال نامہ از معتمد خان ۶- بادشاہ نامہ از محمد امین ۷- بادشاہ نامہ مصنف عبدالحمید ۸- بادشاہ نامہ محمد وارث ۹- عمل صالح از محمد صالح ۱۰- ملخص عنایت خان ۱۱ شاہ جہان نامہ از صادق خان ۱۲ شاہ جہان نامہ از مرزا جلال طباطبائی ۱۳- شاہ جہان نامہ از فاضل خان - ۱۴- ظفر نامہ شاہجہان از حاجی محمد جان قدسی ۱۵- بادشاہ نامہ ابوطالب کلیم ۱۶- بادشاہ نامہ میر محمد یحیی کاشی ۱۷- لطائف الاخبار از بدیع الزمان ۱۸- عالمگیر نامہ مرزا محمد کاظم ۱۹- مآثر عالمگیری از محمد ساقی مستعد خان ۲۰- ظفر نامہ عالمگیری عاقل خان ۲۱- تاریخ جنگ برادران از محمد صادق انبالوی ۲۲- تاریخ شاہ شجاعی از میر محمد معصوم ۲۳ فتحیہ عبریہ از شہاب الدین طالش ۲۴- نسخہ دلکشا مصنف بھیم سنگھ ۲۵- فتوحات عالمگیری از ایسر داس ناگر ساکن پٹن ۲۶- اورنگ نامہ از گرویزی ۲۷- آشوب ہند از بہشتی ۲۸- تاریخ شیواجی از محمد معصوم ۲۹- خلاصۃ التواریخ از سبحان رائے ۳۰- لب التواریخ از رائے بندر ۳۱ منتخب التواریخ از جگ جیون داس ۳۲- زبدۃ

التواریخ از عزیز اللہ ۳۳۔ مرآۃ العالم بختاور خان ۳۴۔ تذکرۃ السلاطین از محمد ہادی کامور خان ۳۵ منتخب اللباب از خافی خان ۳۵، ماثر الامراء از شاہ نواز خان اورنگ آبادی ۳٦، سفینۃ الاولیاء از دارا شکوہ ۳۷، سکینۃ الاولیاء از دارا شکوہ ۳۸۔ آداب عالمگیری از محمد صادق ابناوی ۳۹۔ احکام عالمگیری، از عنایت اللہ خان ۴۰۔ رقعات عالمگیری۔ از سید ابوظفر ندوی، ۴۱ وقائع دکن از نعمت خاں عالی ۴۲۔ تاریخ دکن از خافی خان ۴۳ تاریخ اورنگ زیب از سرجدوناتھ سرکار۔ ۴۴ مغلوں کا نظام حکومت سرجدوناتھ سرکار ۴۵، ہند عہد اورنگ زیب میں از سرجدوناتھ سرکار ۴٦ اورنگ زیب از لین پول ۴۷ مضامین عالمگیری از علامہ شبلی ۴۸، تاریخ ہند از مولانا ذکاء اللہ ۴۹ آثار الصنادید سر سید خان ۵۰ مقدمہ رقعات عالمگیری از سید نجیب اشرف ندوی۔ ۵۱، بزم تیموریہ از صباح الدین عبدالرحمان

۱۷ مولفہ مولانا سید عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۲۲

۱۸ عالمگیر نامہ ص ۱۰۸ محمد کاظم شیرازی

۱۹ تزک جہانگیری ص ۱۰۲ تا ۲۰۲

۲۰ ماثر عالمگیری ص ۲۰۹ از ساقی مستعد خاں

۲۱ جیسا کہ علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے ملاحظہ ہو جہانگیر اور تزک جہانگیری ص ۴۵

۲۲ تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵ ص ۳۱-۳۲

۲۳ بزم تیموریہ ص ۲۳۸ از سید صباح الدین عبدالرحمان۔ اس زمانہ کے

دو لاکھ اس زمانہ کے دو کروڑ سے کم نہ ہوں گے ۔

۲۴ انفاس العارفین ص۳۵ و مرآۃ العالم ورق ص۹۵

۲۵ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ امیریہ بولاق ، مصر

۲۶ اورنگ زیب پر ایک نظر ص۱۲۰

۲۷ مقالات سلیمانی حصہ دوم ص۲۰۵

۲۸ نزہۃ الخواطر ۵/۲۸۵

۲۹ " " ۲/۲۹۷

۳۰ مرآۃ العالم ص۳۱۱ و شنگرف نامہ ص۵۰ پر بھی ملا وجیہہ الدین کے تذکرہ میں اسکی صراحت ہے کہ

دہ کس دیگر از فضلاء بمدد و اعانت او مقرر شدند

۳۱ فتاویٰ عالمگیری کے مولفین معاونین اور افسر سررشتہ تدوین کی تفصیلات مندرجہ ذیل کتابوں سے ماخوذ ہیں ۔

اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں از مولانا سید عبدالحی حسنی ، نزہۃ الخواطر مولفہ مولانا سید عبدالحی حسنی ۔ بزم تیموریہ مولفہ جناب سید صباح الدین عبدالرحمان ۔ عربی زبان و ادب عہد مغلیہ میں مولفہ ڈاکٹر شبیر احمد قادری ۔ تذکرہ علمائے ہند مولفہ مولانا رحمٰن علی ۔ مآثر عالمگیری مولفہ ساقی مستعد خان ۔ مرآۃ العالم مولفہ بختاور خان ۔ عالمگیر نامہ مولفہ محمد کاظم شیرازی ۔ منتخب اللباب مولفہ خافی خان ۔ انفاس العارفین مولفہ شاہ ولی اللہ دہلوی اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۔ برصغیر ہند و پاک میں علم فقہ مولفہ محمد اسحاق بھٹی ۔ آثار علماء گوپاموؤ ۔ مشاہیر جون پور و تحفۃ الکرام ۔ معارف اعظم گڈھ اکتوبر و نومبر ۱۹۴۷ء

حیات ولی، اورنگ زیب پر ایک نظر مولانا علامہ شبلی و شمس التواریخ

۳۱ھ مرآۃ العالم ورق ۲۹۷، وانفاس العارفین ص۱۲۴

۳۲ھ نزہۃ الخواطر ج ۵ ص۴۲۱ تذکرہ علماء ہند ص۲۴۲ مآثر عالمگیری ص۱۹۰-۱۰۰

۳۳ھ مرآۃ العالم ص۲۹۷

۳۵ھ مآثر عالمگیری ص۲۰۹

۳۶ھ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ج ۱۵ ص۱۴۸

۳۷ھ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ج ۱۵ ص۱۲۹ نزہۃ الخواطر ج ۵ ص۵۱

۳۸ھ شنگرف نامہ ص۴۸

۳۹ھ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۵ ص۱۴۹، بزم تیموریہ ص۲۴۲ تذکرہ علمائے ہند ص۱۹۲ عربی زبان وادب عہد مغلیہ میں ص۲۲۹ نزہۃ الخواطر ج ۵ ص۴۲۰

۴۰ھ مرآۃ العالم ص۳۶

۴۱ھ مآثر عالمگیری ص۲۸

۴۲ھ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ج ۱۵، ص۱۴۸ نزہۃ الخواطر ج ۵ ص۴۲۰

۴۳ھ مرآۃ العالم ورق ص۳

۴۴ھ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ج ۱۵ ص۱۴۸ بزم تیموریہ ص۲۴۰ وتذکرہ علمائے ہند ص۲۴۵ مآثر عالمگیری ص۱۱۲ نزہۃ الخواطر ج ۵ ص۳۶۴، برصغیر ہند و پاک میں علم فقہ ص۲۸۶

۴۵ھ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۵، ص۱۴۹ نزہۃ الخواطر ج ۱۵، ص۱۴۹ برصغیر ہند و پاک میں علم فقہ ص۲۰۶

۴۶ھ مآثر عالمگیری ص۱۰۰-۱۰۸

۴۷ھ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۵، ص۱۴۹

۴۸ تذکرہ علماء ہند ص۲۱۶

ماثر عالمگیری ص۴۹ ۔ ماثر عالمگیری ص۲۱۵

۵۰ 〃 〃 ص۲۰۹

۵۱ بزم تیموریہ ص۲۲۴

۵۲ نزہۃ الخواطر ج ۵ ص۲۵۴ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۵ ص۱۴۹

۵۳ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۵ ص۱۴۸

۵۴ مرآۃ العالم ورق ۳۰۱

۵۵ بزم تیموریہ ص۲۴۷ وانفاس العارفین ص۱۴

۵۶ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۵ ص۱۴۸ عربی زبان و ادب عہد مغلیہ میں ص۲۴۸

۵۷ مشاہیر جونپور ص۸۸–۸۹، بزم تیموریہ ص۲۴۰، نزہۃ الخواطر ج ص۲۴۴–۲۹۵ برصغیر ہند و پاک میں علم فقہ ص۲۸۲، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۵ ص۱۴۹

۵۸ مرآۃ العالم ورق ص۳۰۱

۵۹ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۵ ص۱۵ نزہۃ الخواطر ج ۵ ص۲۸۱

۶۰ تذکرہ علماء ہند ص۲۸۸، نزہۃ الخواطر ج ۵ ص۴۱۹–۴۲۰، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۵ ص۱۵۰

۶۱ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۵ ص۱۵۱ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص۲۱–۲۲

۶۲ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص۳۳۹ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۵ ص۱۵۱

۶۳ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۵ ص۱۵۱–۱۵۲ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص۱۵۲

۶۴ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص۱۵۶ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۵ ص۱۵۲

۶۵ تذکرہ علماء ہند ص۱۴۰ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص۱۴۹–۱۴۰ اردو دائرہ معارف ج ۱۵ ص۱۵۲

٦٦ نزہۃ الخواطر ج ٦ صـ٤٢ برصغیر ہند و پاک میں علم فقہ صـ٣٠٩ ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ١٥ صـ١٥٢

٦٧ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ١٥ صـ١٥٢ نزہۃ الخواطر ج ٦ صـ١٥١ ، برصغیر ہند و پاک میں علم فقہ صـ٣٠٣

٦٨ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ١٥ صـ١٥١ نزہۃ الخواطر ج ٦ صـ٢٠٣ برصغیر ہند و پاک میں علم فقہ صـ٣١٠

٦٩ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ١٥ صـ١٥٢-١٥٣ برصغیر ہند و پاک میں علم فقہ صـ٣٢٠-٣٢١ نزہۃ الخواطر ج ٦ صـ٣٨٣-٣٨٥ تذکرہ علماء ہند صـ٢٠١-٢٠٢

٧٠ اس فرمان کو اکتوبر ١٩٤٧ء کے معارف میں ملاحظہ فرمائیں دار المصنفین اعظم گڈھ

٧١ حیات ولی صـ٢٧٠-٣٩٩ انفاس العارفین صـ٢٢ برصغیر ہند و پاک میں علم فقہ صـ٣١٧-٣٢٠ تاریخ دعوت و عزیمت ج ٥ صـ٧٨-٧٩ ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ١٥ صـ١٤٣

٧٢ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ١٥ صـ١٥٤ معارف اعظم گڈھ ماہ جون ١٩٤٧ء برصغیر ہند و پاک میں علم فقہ صـ٣٣٨

٧٣ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ١٥ صـ١٥١ نزہۃ الخواطر ج ٥ صـ١٦ تذکرہ علماء ہند صـ١١

٧٤ " " " " صـ١٥٤ برصغیر ہند و پاک میں علم فقہ صـ٢٤١

٧٥ " " " " صـ١٥٤

٧٦ " " " " صـ١٥٤ معارف اعظم گڈھ ماہ مارچ ١٩٤٨ء برصغیر ہند و پاک میں علم فقہ صـ٣٤١

٧٧ " " " " " " صـ٢٤١ معارف اعظم گڈھ ماہ مارچ ١٩٤٨ء

٧٨ معارف اکتوبر ١٩٨٦ء دار المصنفین اعظم گڈھ

مصنّف

مولانا محمد صدر الحسن ندوی

استاذ جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم اورنگ آباد
فاضل دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
فاضل جامعہ دینیات اردو دیوبند
فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

تصانیف

- اورنگ زیب اور تدوین فتاویٰ عالمگیری
- اسلام آخری دین کیوں ؟
- انشورنس اور اسلام
- ہندوستان کے عربی نعت گو شعراء
- قرآن اور مستشرقین
- فقہ اسلامی اور مستشرقین
- تعدّد ازدواج اور مستشرقین
- ابن تیمیہ اور تزکیۂ نفس
- شب جائے کہ من بودم
- موسیقی کی شرعی حیثیت
- امت مسلمہ پر مغرب کی یلغار
- دبستان اسلام کے ادبی و تنقیدی تصورات
- خود پرستی یا خدا پرستی
- یورپ پر اسلامی تہذیب و تمدن کے اثرات
- ایک مظلوم صحابی رضؓ
- استشراق ایک جائزہ
- حدیث اور مستشرقین
- تاریخ اسلام اور مستشرقین
- ادب نبوی تشبیہ و تمثیل کے آئینہ میں
- ختم نبوت احادیث کی روشنی میں
- متاع زندگی
- جان پال سارتر اور فلسفۂ وجودیت
- علمائے سلف کا علمی مقام
- دعوت طریقہ کار اور نصب العین

مضامین

ڈاکٹر علاء الدین خاں
شعبۂ تاریخ، شبلی نیشنل کالج اعظم گڈھ

قاضی اور محکمۂ قضاء فتاوی عالمگیری کی روشنی میں

عہد وسطیٰ کا ہندوستان سیاسی، سماجی، علمی وتمدنی حیثیت سے اہمیت کا حامل ہے۔ دین ومذہب، علم وادب، تمدن وثقافت اور سیاست وحکومت کے باب میں اس دور کی خدمات بڑی اہم اور مفید رہی ہیں۔ اس دور کا ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ اسلامی قوانین کے نفاذ کے ساتھ ساتھ فقہ اسلامی کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا گیا۔ ہندوستان میں فقہی تالیفات کی ابتداء عہد فتوحات یا محمود غزنوی کے عہد سے منسوب کی جاتی ہیں۔(۱) اس وقت سے لے کر آج تک فتاویٰ کی تدوین کا کام کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے ان میں فقہ کی بعض اہم ورقیمتی کتابیں شامل ہیں، جن کی افادیت اور اہمیت سے آج بھی انکار نہیں کیا جاسکتا اور اس طرح کی کتابوں میں اولین کتاب فتاویٰ غیاثیہ ہے جو سلطان غیاث الدین بلبن کے نام سے منسوب ہے۔(۲) یہ فتاوی عربی زبان میں ہے اور فقہ حنفی، کے نقطہ نظر سے مرتب کیا گیا ہے اور اس کے مصنف کا نام شیخ داؤد بن یوسف الخطیب ہے۔(۳) فتاویٰ غیاثیہ کے علاوہ عہد وسطیٰ میں دوسرے اہم فتاویٰ کے مجموعے بھی منظر عام پر آئے جن میں فتاویٰ قراخانی (۴) فوائد فیروز شاہی (۵) فتاوی تاتار خوانی (۶) فتاوی حمادیہ (۷) فتاوی ابراہیم شاہی (۸) فتاوی بابری (۹) فتاوی مجمع البرکات (۱۰) اور فتاویٰ عالمگیری قابل ذکر ہیں۔

مذکورہ فتاویٰ کے مجموعے جو کسی نہ کسی بادشاہ کے نام سے منسوب ہیں انہیں اتنی شہرت نہیں مل سکی جتنی کی فتاویٰ عالمگیری کو، فتاویٰ عالمگیری کو رواج پانا اور مشہور ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ مجموعہ فتاویٰ میں فتاوی عالمگیری کو جو امتیازات اور خصوصیات کلی

طور پر حاصل ہیں وہ کسی بھی فتاویٰ کو حاصل نہ تھیں (۱۱) فتاویٰ عالمگیری اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت جامع اور مفید کتاب ہے یہ عربی زبان میں ہے، اور چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد کی ابتداء الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین سے ہوتی ہے۔ (۱۲) مندرجات کے حساب سے بھی یہ فقہ کی نہایت مفصل کتاب ہے اس جامع کتاب میں جہاں نماز، حج، زکوٰۃ، ایمان، طہارت، نکاح، طلاق، جہاد، بیع وغیرہ کے مسائل ہیں وہاں حدود، تعزیرات، قضاء و پنچائت جیسے موضوعات سے بھی بحث ہے اور آداب القاضی وغیرہ کی بھی نشاندہی کی گئی ہے جن کو سامنے رکھ کر قاضی فیصلے دیا کرتے تھے۔ اگر ہم ان آداب کا بغور مطالعہ کریں اور ان کا موازنہ موجودہ قوانین وضوابط دیوانی وفوجداری وشہادت وغیرہ سے کریں تو بہت حد تک ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ علاوہ قانون انگریزی کے بہت سی باتیں فتاوی عالمگیری سے ماخوذ ہیں (۱۳) اس موقع پر اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ فتاوی عالمگیری کا تعلق قوانین شرعیہ سے وہی ہے جو رومن شہنشاہ جسٹینین کے قوانین کا تعلق گزشتہ قوانین روما اور موجودہ قوانین یورپ وانگلستان وامریکہ سے ہے۔

دنیا کی تمام زبانیں جن میں قوانین اسلامیہ کی کتابیں لکھی گئی ہیں قریب قریب سب میں فتاویٰ عالمگیری کا حوالہ ملتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے بعد مغل عہد میں عدالتی انصاف، دیوانی یا فوجداری مقدمات کی تمام کارروائیاں اسی فتاوی کی بنیاد پر ہوتی تھیں۔ (۱۴) غیر مسلموں کے مذہبی وسماجی مسائل جیسے شادی، حق وراثت، گود لینے کا نظام یا ذاتی قانون پر اس فتاوی کا نفاذ نہیں ہوتا تھا۔ ہندوؤں کے لئے ان کے اپنے قانون استعمال ہوا کرتے تھے البتہ تمام فوجداری معاملات میں اسلامی قانون کا استعمال ہوا کرتا تھا اور تمام لوگ جیسے مدعی، مدعا علیہ اور گواہان اسلامی قانون کے پابند ہوا کرتے تھے (۱۵) اور یہ سلسلہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد تک قائم رہا اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے فتاویٰ مذکور کے کتب عقوبات، حدود وتعزیرات کا استعمال کیا جس کی مثالیں اٹھارہویں

وانیسویں صدی کے مقدمات، نظامت، عدالت وصدر دیوانی عدالت کی رپورٹوں میں موجود ہیں (۱۶) اس کے علاوہ فتاویٰ عالمگیری ہندو پاک کے ہزاروں فیصل شدہ مقدمات میں برابر مستعمل رہا ہے ان ممالک کے علاوہ ملایا، سنگاپور، برما، افریقی ممالک اور عرب ممالک میں یہ عدالتوں میں مستعمل ہوتا چلا آیا ہے۔اس کی ایک مثال بطور ثبوت کافی ہے اور وہ ۱۹۳۹ء کے فلسطین سپریم کورٹ کا مقدمہ بعنوان سعادت کمال بنام اٹارنی جنرل آف فلسطین جو اپیل کیس ۱۹۳۹ء صفحات (۵۰۸۔۵۲۳) پر درج ہے۔مقدمہ مذکور میں ایک وقف کا نکتہ درپیش تھا لہذا فاضل ججوں نے ترکی مجلّہ کے آرٹیکل ۱۶۶۰ تا ۱۶۶۷ و دیگر کتب و مقدمات فلسطین وقبرص کا حوالہ دیتے ہوئے فتاویٰ عالمگیری کی جلد دوم (کتاب الوقف) سے ماخذ کو بطور نمونہ استعمال کیا اور اسے بہترین تحقیقی قوانین اسلامیہ بتا کر فیصلہ اسی بنیاد پر کیا (۱۷) فتاوی عالمگیری ٹھوس مسائل شرعیہ کی تحقیقات پر مبنی ہے تمام عالم اسلام نے اسے زیادہ ترجیح دی ہے اسی وجہ سے اسے ان تمام فقہی کتب جو ذاتی اور پرائیویٹ طور پر لکھی گئی ہیں کہیں زیادہ فوقیت حاصل ہے۔ برطانوی عہد میں ہندوستانی عدالت نے اس کو مستند قرار دیا ہے اس کا واضح ثبوت ہے ۱۹۱۷ء کا مقدمہ، موسومہ مسماۃ تاج بی بنام مولا خاں جو بمبئی ہائی کورٹ کے فاضل جج مسٹر بمن (Beman) نے دیا تھا۔اس فیصلہ میں فاضل جج مذکور نے یہ کہا کہ فتاویٰ عالمگیری کو دار المختار کے مقابلے میں کہیں زیادہ فوقیت حاصل ہے کیوں کہ یہ مجموعہ ایک مسلم حکومت کے بادشاہ نے اپنے زمانے کے ماہرین علوم اسلامیہ کے ذریعے مرتب کروایا تھا۔نہ صرف یہ بلکہ جج نے فیصلہ میں اسلام کی فقہی کتب مثلاً فتاوی قاضی خاں اور ہدایہ وغیرہ پر بڑی عالمانہ بحث کی اور یہ کہا کہ تاریخ شاہد ہے کہ فتاویٰ عالمگیری نے قانونی نکتہ پر جو رائے ظاہر کی وہ سب سے بہتر ہے (۱۸) مذکورہ رائے سے فتاوی عالمگیر کی فقہی اور قانونی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

اورنگ زیب جہاں سیاست اور اصول جہاں داری میں ماہر تھا وہیں اس کے اندر

اور بھی صلاحیتیں موجود تھیں ایک عظیم ملک کی سربراہی کے ساتھ اسے تفقہ فی الدین کا وافر حصہ بھی ملا ہوا تھا۔ اسے ابتداء ہی سے اس بات کا خیال تھا کہ فقہ اسلامی کی از سرنو تدوین ہونی چاہئے تاکہ جزئیات اور فروعات میں اسلامی احکامات کی پوری پوری رہنمائی حاصل ہو، اسی کے پیش نظر اورنگ زیب نے فتاویٰ کی تدوین کا ایک جامع منصوبہ بنایا اس کے تدوین کے اسباب مورخین نے کچھ اس طرح بتائے ہیں۔

''بادشاہ اورنگ زیب کی تمام تر کوشش اس بات پر ہے کہ احکام دین کے بارے میں سب مسلمان اکابر علماء اور ائمہ مذاہب حنفیہ کے مفتی بہا مسائل پر عمل کریں لیکن اس میں چند دقتیں ہیں ایک تو یہ کہ مسائل کتب فقہ وفتاوی میں فقیہوں اور عالموں کے اختلاف کی وجہ سے روایات ضعیفہ علماء کے مختلف اقوال کے ساتھ مخلوط ہوگئی ہیں، دوسرے یہ کہ کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے جو ان سب مسائل پر حاوی ہو اس لئے جب تک بہت سی مبسوط کتابیں اکٹھی نہ ہوں اور کسی کو وسیع دستگاہ، کامل استعداد اور احکام فقہ کے علم میں پوری قدرت میسر نہ ہو اس کے لئے حق صریح اور مفتی بہا مسئلہ اور حکم صحیح کا نکالنا ممکن نہیں۔'' (۱۹)

اس لئے بادشاہ نے ارادہ کیا کہ دارالخلافہ کے علماء کی ایک جماعت مقرر کی جائے تاکہ معتبر کتابوں اور مبسوط نسخوں سے تحقیق و تدقیق اور غور وخوض کے بعد مسائل کو جمع کریں اور اس طرح ایک جامع کتاب مرتب کریں تاکہ سب لوگ اس کتاب میں سے ہر باب کے مسائل مفتی بہا کو بآسانی اور بسہولت ڈھونڈ نکالیں اور اسلام کے قاضی اور مفتی تمام کتابوں، متفرق دفتروں اور تمام فتاویٰ کی ورق گردانی اور جانچ پڑتال سے مستغنی ہو جائیں۔ (۲۰) اس کام کی ذمہ داری شیخ نظام برہان پوری کے سپرد ہوئی اور ان کے ساتھ دارالخلافہ کے علماء وفضلاء کی ایک جماعت اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مامور ہوئی۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے اطراف واکناف میں جہاں بھی کسی مشہور اور جید عالم کا پتہ چلا اس کو فرمان کے ذریعہ حاضر کر کے اس کام میں شریک کیا گیا اور یہ تمام علماء وفضلاء معقول وظیفہ کے ساتھ اس کام میں مشغول ہوگئے اور اس کام کے

لئے جو کتابیں ضروری تھیں سرکاری کتب خانے سے انکے حوالے کردی گئیں اس کام میں ہر سال سرکاری خزانے سے ایک کثیر رقم خرچ کی جاتی تھی کہ جب یہ کتاب مکمل ہو جائے گی تو دنیا تمام فقہی کتابوں سے بے نیاز ہو جائے گی اور اس نیک کام کا ثواب بادشاہ سلامت کو ملے گا۔(۲۱) اورنگ زیب نے تدوین کا کام علماء کے سپرد ضرور کردیا تھا لیکن وہ خود بھی تدوین کے کاموں میں برابر دلچسپی لیتا رہا اور روزآنہ دو چار صفحہ خود علمی وتنقیدی نگاہ سے دیکھتا تھا، موقع موقع سے مناسب اصلاح وترمیم بھی بادشاہ کی طرف سے عمل میں آتی تھی اور خامیوں پر ملا نظام برہانپوری کو متوجہ بھی کرتا تھا۔(۲۲) اور یہ خصوصیت صرف فتاوی عالمگیری کو حاصل ہے کہ اورنگ زیب جیسا بادشاہ اس کے اراکین تدوین میں شامل تھا۔ ملا نظام برہان پوری دو چار صفحات روزآنہ بادشاہ کو سناتے تھے، ایک بار بادشاہ عبارت سن رہا تھا ایک عبارت کچھ گنجلک تھی اور ملا نظام نے حاشیہ اور متن دونوں ملا کر عبارت پڑھ لی اس پر اورنگ زیب کو شبہ ہوا اور اس نے کہا کہ ''ایں عبارت چیست'' ذرا دوبارہ پڑھیں، ملا نظام الدین دوبارہ اسطرح پڑھ گئے اس پر اورنگ زیب نے وضاحت چاہی ملا نظام اس وقت کوئی جواب نہ دے سکے اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اس عبارت پر نظر نہیں ہے کل تفصیل سے بات ہوگی (۲۳) اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کی فقہ پر گہری نظر تھی اور فتاوی کی تدوین وتصحیح میں وہ بہت دلچسپی لیا کرتا تھا۔

فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب ہدایہ کے طرز پر ہوئی اور اس میں انہیں مسائل کو لیا گیا جو فقہ حنفی کی کتابوں سے ثابت ہیں اور تمام مسائل کو اصل حوالے کے ساتھ مع اسماء کتب نقل کیا گیا ہے اگر کسی دوسری کتاب سے مسئلہ اخذ کیا گیا ہے تو اسکا بھی ذکر ہے۔ تدوین وترتیب میں تکرار اور متن میں حشو وزوائد سے پرہیز کیا گیا ہے۔ اس فتاوی کی بنیاد ابو محمد کی جامع الکبیر، جامع الصغیر، المبسوط، الزیادات، السیر الکبیر، السیر الصغیر جیسی عظیم فقہی کتابوں پر قائم ہے۔ اس فتاویٰ کا یہ وصف ہے کہ یہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتی ہے۔ اس میں جزئیات اور کلیات سے پوری پوری بحث کی گئی ہے اور اس کی

جامعیت اور ہمہ گیری کا مقابلہ دوسرے فتاویٰ نہیں کر سکتے اس میں حصہ عبادات کے ساتھ حصہ معاملات پر بھی مواد ملتا ہے۔اس کتاب کی تدوین کا آغاز ۱۶۶۸ء۔۱۶۶۹ء میں ہوا اور اس کی تکمیل تقریباً ۱۶۷۷ء میں ہوئی اس طرح کل آٹھ سال کی محنت کے بعد یہ تیار ہوئی اور اس پر کل دو لاکھ روپے خرچ ہوئے۔اس کتاب کی جمع و ترتیب کا طریقہ یہ تھا کہ فقہی ابواب کے لحاظ سے اس کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر حصہ کے لئے ایک صدر اور ہر صدر کے لئے چند معاونین کی ایک جماعت مقرر تھی، ہر صدر اپنے حصہ کا ذمہ دار تھا اخذ واستنباط میں اگر کوئی غلطی ہو جاتی تو صدر کمیٹی ملا نظام ہر شعبہ کے صدر سے باز پرس کرتے۔اس کے مولفین میں کتنے لوگ شامل تھے اس کا احصاء کرنا ممکن نہیں کیوں کہ معاصر فارسی کتب و تذکرہ میں اس کی کوئی فہرست نہیں ملتی جو نام تلاش و جستجو کے بعد میں ملے ہیں ان کی تعداد ۲۷ تک پہنچتی ہے ان میں سر فہرست شیخ نظام برہانپوری، شیخ وجیہ الدین کوپامئوی، شیخ محمد حسین جونپوری، مفتی محمد اکرم لاہور، ملا حامد جونپوری، مولانا جلال الدین مچھلی شہری، قاضی عبد الصمد جونپوری، شاہ عبد الرحیم دہلوی، سید عنایت اللہ مونگیری وغیرہ ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری پر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسے ابواب پر مشتمل ہے جو انسانی زندگی کے تقریباً ہر گوشے پر روشنی ڈالتے ہیں ابتداء میں چند ابواب طہارت و عبادات سے متعلق ہیں اس کے بعد نکاح، طلاق، لونڈی، غلام، جرم و سزا، جنگ و صلح، ریاستی محصولات، بیت المال، ترک دین، بغاوت، شرک ومضاربت، وقف، تجارتی امور، عدالت وانصاف، شہادت، امانت، قرض، ہدیہ وتحفہ، اجرت، خیانت، خیار، زراعت، رہن، قتل وخون بہا وغیرہ سے متعلق ابواب ہیں اس کے علاوہ کتاب ادب القاضی کے تحت قاضی کے آداب، اقسام قضاۃ، قاضی کی شخصیت اور اس کے منصب کی اہمیت کے بارے میں بے شمار چیزوں کا ذکر ہے، زیر بحث مقالہ میں قاضی اور محکمہ قضا سے متعلق فتاوی عالمگیری میں جو مواد فراہم کیا گیا ہے اسے صفحہ قرطاس پر لانے کی ایک طالب

علمانہ کوشش ہے۔

اس بات پر ہر ذی شعور متفق ہے کہ اسلام میں عہدہ قضا کی اہمیت ہمیشہ سے مسلم رہی ہے اور اس کی ایک لمبی تاریخ رہی ہے۔قضاء ایک اہم ذمہ داری اور ایک قابل عمل سنت ہے یہ شعبہ اسلام میں حضرت عمرؓ کی بدولت وجود میں آیا جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمرؓ نے تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے۔اسی کے ساتھ قضاء کے اصول آئین پر ایک فرمان لکھا جو ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ کے نام تھا اس میں حضرت عمرؓ نے لکھا کہ قضاء ایک ضروری فرض ہے اور سنت رسول ہے کہ لوگوں کے درمیان شریعت کے مطابق انصاف کرو،لوگوں کو اپنے حضور میں،اپنی مجلس میں،اپنے انصاف میں برابر رکھو تا کہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہوں اور دوسروں کو رو رعایت کی امید نہ ہو(۲۴) پیغمبر اور خلیفہ نجی طور پر مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے اس طرح مختلف صوبوں میں قضاء کا محکمہ علاقے کے والی اور حاکم کے سپرد ہوتا تھا لیکن حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں فتوحات کی کثرت اور کاروبار مملکت کی وسعت کے باعث خلیفہ اور اسکے عمال کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ عام نظم ونسق کے ساتھ مقدمات کے تصفیہ کا کام بھی اپنے ہاتھوں میں رکھیں۔اس لئے حضرت عمرؓ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا اور ہر علاقہ کے لئے علیحدہ قاضی مقرر فرمائے۔آپ نے ابو درداء کو مدینہ کا ،شریح کو بصرہ کا اور ابو موسیٰ اشعری کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔(۲۵) حضرت عمرؓ قاضی کی تقرری کے وقت بڑے احتیاط سے کام لیتے تھے،اقربا پروری،دوست نوازی ان کے یہاں نہیں پائی جاتی تھی۔مسلم فقہاء کے مطابق حکمراں کو بذات خود عدل کا انتظام کرنا چاہئے لیکن اس عہدے کے لئے شریعت کے قوانین کے علم کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض حکمراں اتنے قابل نہیں ہوتے تھے کہ وہ شریعت کے مطابق فیصلہ کر سکیں اس لئے ان کا یہ فرض تھا کہ وہ نظام عدل کو اچھی طرح سے چلانے کے لئے لائق افراد کا تقرر کریں۔(۲۶) جہاں تک مسلم شریعت اور قوانین کا سوال ہے تو عہد سلطنت و مغل دونوں

کا نظام عدل فقہاء کے بتائے ہوئے اصولوں پر تھا۔ سلاطین دہلی اور مغل حکمراں دونوں اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ عدل وانصاف کو اہم مقام ملے، ہر علاقے اور ہر شہر میں ایک قاضی ہوتا تھا۔ مغلوں کے عہد میں نظام عدل، محکمہ عدالت، دیوان شریعت اور محکمہ اسلام کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ (۲۷) عہد سلطنت میں دیوان القضاء ایک اہم ادارہ تھا اور یہ عام طور پر دوسرے مسلم ملکوں جیسا ہی تھا اور یہی روایت مغل عہد میں بھی رہی۔

قاضیوں کے تقرر کی تاریخ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قاضی کے تقرر کے لئے کوئی قطعی اور حتمی اصول نہ تھا ہاں تقرری کے وقت اہلیت کو ضرور ترجیح دی جاتی تھی فتاویٰ عالمگیری کے فاضل مرتبین نے کتاب ادب القاضی میں قاضی کے آداب، اقسام قضاۃ، قاضی کی شخصیت اور اس کے منصب رفیع کی اہمیت کے بارے میں بے شمار چیزوں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ منصب قضاء پر کسی امیر اور صاحب ثروت کو فائز کرنا چاہئے، محیط سرخسی کے حوالے سے الفاظ یہ ہیں کہ امام ایسے شخص کو قاضی مقرر کرے جو غنی اور مالدار ہوتا کہ وہ لوگوں کے مال میں لالچ نہ کرے۔ (۲۸) دہلی سلطنت میں قاضیوں کا تقرر براہ راست مرکز سے ہوتا تھا اور وہ حاکموں کے دائرہ کار سے عملاً آزاد ہوتے تھے (۲۹) قاضی کے تقرر سے متعلق ابن حسن لکھتے ہیں کہ بادشاہ ایسے شخص کو قاضی مقرر کرے جسے وہ ذاتی طور پر جانتا ہو اور جو اس عہدے کے لئے موزوں ترین شخص ہو، اگر بادشاہ اس سے بذات خود نہ واقف ہو تو علماء کی ایک جماعت اس کے علم وفضل کی جانچ کرے اور اس کے سیرت وکردار کے بارے میں اس کے پڑوسیوں سے تحقیقات کی جائے۔ (۳۰) اس کی تائید فتاویٰ عالمگیری سے بھی ہوتی ہے فتاویٰ میں ہے کہ ایسے آدمی کو قاضی مقرر کیا جائے جو عارف ہو، زیادہ قادر اور ہیبت والا ہو، وجیہ ہو اور ساتھ ہی صابر ہو (۳۱) عدالتی طریقہ کار کے سلسلے میں یہ ذکر ہے کہ اسے کھلی جگہ پر مقدمہ کی سماعت کرنی چاہئے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ قاضی قضاء کے وقت جلوس ظاہری کے طور پر بیٹھے، اس کیلئے سب سے زیادہ مسجد کو موزوں بتایا ہے تاکہ مسافر اور غربا

آسانی کے ساتھ پہنچ سکیں اس کے لئے جامع مسجد کو اولیٰ بتایا ہے۔(۳۲) لیکن اگر وہ اپنے گھر عدالت قائم کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ لوگوں کو آزادانہ طور پر وہاں آنے کی اجازت ہو(۳۳) منصب قضاء نہایت نازک مقام ہے قاضی کو انتہائی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔اس ضمن میں فتاویٰ عالمگیری میں مشہور کتابوں کے حوالے سے بہت کچھ بتایا گیا ہے جیسے محیط کے حوالے سے لکھا ہے کہ قاضی کی عدالت میں جب مقدمہ کے دونوں فریق پیش ہوں تو وہ انہیں اپنے سامنے بٹھائے اور دونوں کے درمیان دیکھنے اور بات کرنے میں مساوات ملحوظ رکھے اور کسی ایک سے خفیہ بات نہ کرے نہ ہاتھ،سر اور ابرو سے اشارہ کرے اور نہ کسی ایک کی طرف منہ کر کے ہنسے۔(۳۴)

فتاویٰ عالمگیری کے مذکورہ بالا جملے سے یہ واضح ہو گیا کہ عدالت میں پیش ہونے والے فریقین قانون کی نگاہ میں مساوی حیثیت رکھتے ہیں لہذا قاضی انہیں ایک جگہ بیٹھائے اور اگر بادشاہ بھی کسی مقدمے میں فریق کی حیثیت سے عدالت میں حاضر ہو تو بھی اس سلسلے میں کوئی امتیاز روا نہ رکھے فتاویٰ عالمگیری میں قاضی کو یہ بھی ہدایت ہے کہ قاضی مجلس عدالت میں مزاح سے مطلقاً پرہیز کرے خواہ یہ مقدمے کے دونوں فریقوں کے ساتھ ہو یا ایک کے ساتھ ہو یا ان کے سوا کسی اور کے ساتھ ہو۔مجلس عدالت کے علاوہ بھی کسی سے زیادہ مزاح نہ کرے کیوں کہ اس سے اس کی ہیبت اور رعب باقی نہیں رہتے۔(۳۵) جب کوئی مدعی تحریری نالش کے بغیر ہی عدالت میں آئے تو قاضی کو اسے کاتب کے پاس بھیج دینا چاہے تا کہ اس کا ضروری بیان ایک مقررہ فارم پر قلم بند کرے اور مدعا علیہ کو حاضر ہونے کا حکم جاری کر دے،جب دونوں فریق حاضر عدالت ہو کر اپنا دعویٰ قاضی کے سامنے پیش کریں تو قاضی کو اس کی جانچ کرنی چاہئے اور اگر وہ جائز اور باضابطہ ثابت ہو جائے تو مقدمہ کی سماعت کرے ورنہ اسے خارج کر دے(۳۶) نہایہ،البدائع،فتاوی تاتارخانیہ اور خزانۃ المفتین کے حوالے سے فتاویٰ عالمگیری میں یہ بتایا گیا ہے کہ قاضی فریقین مقدمہ میں سے کسی ایک فریق کی مہمان

نوازی نہ کرے البتہ دوسرا فریق بھی ساتھ ہو تو کر سکتا ہے۔ کسی ایک فریق سے ایسی زبان میں بات نہ کرے جسے دوسرا فریق نہ سمجھ پاتا ہو، اپنے گھر میں دونوں فریقوں میں سے ایک ساتھ الگ بات نہ کرے۔ اسی طرح قاضی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کرے جس کیوجہ سے اسے متہم کیا جاسکے، فریقین میں سے کسی ایک کی طرف گردن نہ موڑے۔ کسی فریق مقدمہ کو اپنے گھر میں آنے کی اجازت دینا مکروہ ہے البتہ جس کا کوئی جھگڑا اس کی عدالت میں نہیں ہے وہ آسکتا ہے (۳۷) عدالت میں قاضی کو فریقین کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہئے اس کے بارے میں بھی فتاویٰ عالمگیری میں واضح ہدایات موجود ہیں جیسے قاضی فریقین میں سے ایک کو دائیں جانب اور دوسرے کو بائیں جانب نہ بٹھائے اسلئے کہ دائیں جانب کو افضلیت حاصل ہے اور اسکو دوسرے فریق پر مقدم سمجھا جائے گا۔ بڑے چھوٹے کے درمیان اسی قسم کا برتاؤ کرے یہاں تک کہ باپ اور بیٹے کے درمیان، خلیفہ اور رعیت کے درمیان، ذمی اور شریف کے درمیان، مساوات قائم رکھنا ضروری ہے۔ (۳۸) ساتھ ہی یہ بھی ہدایت ہے کہ فریقین کی نشست قاضی کے آگے دو ہاتھ کے فاصلے پر یا اس کے لگ بھگ اس طرح ہونی چاہئے کہ وہ ان کی آواز بآسانی سن سکے۔ (۳۹) جہاں تک عدالتی طریق کار کی بات ہے تو اس سے متعلق فتاویٰ مذکور میں بہت ہی واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ جب مقدمے کی سماعت شروع ہو جائے تو قاضی کو خاموشی کے ساتھ مدعی کا بیان سننا چاہئے (۴۰) اور قاضی یا کاتب کو ایک لفظ شامل کئے بغیر سارا بیان من وعن قلم بند کرنا چاہئے اس کے بعد وہ مدعا علیہ کو مخاطب کرے اور کہے کہ مدعی تم پر فلاں فلاں الزام لگاتا ہے تم اس بارے میں کیا کہتے ہو۔ قاضی اس کے انکار یا اقرار کا جواب قلم بند کرے اگر مدعا علیہ الزام کا انکار کرتا ہے تو قاضی اس کا دیا ہوا بیان لکھ لے جب دونوں فریقوں کے بیان قلم بند کر لئے جائیں تو قاضی دونوں کے بیان کی تصدیق کرائے اور جب تصدیق ہو جائے تو فیصلہ سنادے۔ (۴۱) اور اگر دعوی ثابت نہ ہو تو وہ مدعی سے اپنے دعوے کے ثبوت میں مزید

شہادت پیش کرنے کا حکم دے جو قانون شہادت کے مطابق ہو جب کوئی گواہ گواہی دینے آئے تو قاضی اسے کسی طرح کی ہدایت نہ دے۔ (۴۲) جب اس طرح ساری کارروائی ختم ہو جائے تو وہ شریعت کے مطابق فیصلہ دے۔

مغل بادشاہوں کا نظام عدل بالکل اسی نہج پر تھا جو مسلم فقہاء نے معین کیا تھا اور سلاطین دہلی نے جسے شمالی ہند میں قائم کیا تھا۔ اگرچہ مسلم علمائے قانون کا اس بات پر اختلاف ہے کہ بادشاہ بغیر قاضی کے عدلیہ کے فرائض انجام دینے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں، لیکن وہ اس بات پر متفق ہیں کہ اسے بذات خود اس فریضے کو انجام دینے کا حق حاصل ہے لیکن چونکہ قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کے لئے فنی معلومات رکھنا ضروری ہے لہذا یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس عہدے کے لئے علماء میں سے کسی بہترین شخص کو مقرر کرے چونکہ عہدہ قضاء ناگزیر ہے اس لئے انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ اس کام کے لئے علماء کی ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو قانونی نکات کے مطابق فتوی دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور ان میں سے جو سب سے باصلاحیت ہو اسے قاضی القضاۃ کے منصب پر مامور کیا جائے اس کی تصدیق فتاویٰ عالمگیری سے بھی ہوتی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں جہاں قاضی کے آداب، فرائض اور شرائط تقرر کا ذکر ہے وہیں یہ بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ اگر قاضی یا اس کے بیٹے یا محرر نے رشوت لے کر فیصلہ کیا تو اس کا کیا حکم ہوگا اس پر فتاویٰ میں لکھا ہے کہ قاضی نے جو فیصلہ رشوت لے کر کیا اس میں اسکی قضا نافذ نہ ہوگی اور اور جس مقدمہ میں رشوت نہیں لی اس میں قاضی کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ خزانۃ المفتین کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر قاضی کے لڑکے یا محرر وغیرہ نے رشوت لی، اگر قاضی کے حکم یا اس کی رضامندی سے لی تو ان کا اور خود قاضی کا رشوت لینا برابر ہے اور اس کا فیصلہ رد ہوگا اور اگر قاضی کے حکم کے بغیر رشوت لی تو قضا تو نافذ ہو جائے گی البتہ رشوت لینے والے پر اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔ (۴۳) عدالت میں قاضی کون کون سی چیزیں اور کس قسم کے کاغذات اپنے پاس رکھے اور اس کی نظر کتنی

وسیع ہونی چاہئے اس کے بارے میں محیط سرخسی کے حوالے سے فتاویٰ عالمگیری میں تحریر ہے کہ قاضی کو چاہئے کہ جز دان اپنے داہنے جانب رکھے اس لئے کہ اس میں رجسٹر، محضر اور فائلیں وغیرہ رکھی ہوتی ہیں، پھر قاضی کا کاتب یا محرر اس سے ہٹ کر اس انداز سے بیٹھے کہ قاضی اس کو دیکھتا رہے تا کہ وہ رشوت لے کر الفاظ میں کمی بیشی نہ کرے (۴۴) اسی طرح فتاویٰ قاضی خاں اور فتاویٰ تاتارخانیہ کے حوالے سے مرتبین فتاویٰ عالمگیری میں لکھتے ہیں کہ قاضی مسجد یا گھر میں بیٹھے تو (بواب) دربان رکھ سکتا ہے۔ الفاظ کچھ اس طرح ہیں اگر قاضی مسجد یا گھر میں بیٹھے تو دربان مقرر کرے تا کہ وہ خصوم کو ازدہام اور ہجوم کرنے سے روکے اور دربان کو اجازت نہیں کہ وہ ان سے کچھ لے کر ان کو قاضی کے پاس اندر جانے کی اجازت دے۔(۴۵) کیا عدالت میں قاضی کے سامنے اس کا معاون ہونا چاہئے ؟ اس پر فتاویٰ مذکور سے ہمیں روشنی ملتی ہے کہ قاضی جب مقدمات کے فیصلے کے لئے مسند عدالت پر بیٹھے تو اس کے سامنے ایک ایسا آدمی کھڑا ہونا چاہئے جو لوگوں کو بے وقت آگے بڑھنے سے اور سوئے ادب سے روکے۔ یہ شخص امین ہو، لالچی نہ ہو کہ رشوت لے کر کسی فریق کی جانب داری کرے اور سوئے ادب کے وقت اس کی تادیب نہ کرے۔ جب دونوں فریق قاضی کے سامنے بیٹھیں اور قاضی یہ مصلحت محسوس کرے کہ صاحب مجلس اس سے کچھ دور فاصلے پر چلا جائے تا کہ اس کو معلوم نہ ہو سکے کہ فریقین مقدمہ اور قاضی کے درمیان کیا گفتگو ہوئی ہے کہ ایک فریق کو اس سے باخبر نہ کر دے اور کسی کو کچھ سکھا سمجھا نہ دے تو قاضی کو ایسا کرنے کا اختیار ہے اگر چہ صاحب مجلس امین اور قابل اعتماد ہی ہو اور اس کے قریب رہنے سے کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ قاضی کو وہ تمام کام کرنے چاہئیں اور انہیں ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے جن میں لوگوں کی بھلائی اور احتیاط پنہاں ہو اور صاحب مجلس کو چاہئے کہ مقدمہ کے کسی فریق سے خفیہ طور پر باتیں نہ کرے۔

فتاویٰ عالمگیری میں اس مسئلے کو بھی موضوع بحث ٹھہرایا گیا ہے کہ فریقین قاضی کو

سلام کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ یا قاضی ان کو سلام کرنے کا مجاز ہے کہ نہیں؟ اسی کے ساتھ یہ موضوع بھی زیر بحث آیا ہے کہ امیر مملکت یا والی کو سلام کرنا یا ان کا لوگوں کو سلام کرنا مناسب ہے یا نہیں؟ کیوں کہ اس میں ان کے ذاتی وقار، حشمت وہیبت، رعب ودبدبہ کو ملحوظ وبرقرار رکھنے کا سوال پیدا ہوتا ہے اس لئے فتاویٰ میں اس سلسلے میں مختلف کتب فقہ کے حوالہ سے مختلف فقہاء کے اقوال نقل کئے گئے ہیں جن میں یہ بھی ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کو سلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ بھی ہے کہ سلام کرنے اور سلام قبول کرنے سے رعب دبدبہ کم ہو جاتا ہے اور اس سے فریقین پر غلط اثرات مرتب ہونے کا اندیشہ ہے اس سلسلے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ امیر مملکت یا والی کو نہ سلام کرنے میں کوئی حرج ہے نہ سلام کا جواب دینے میں کوئی قباحت البتہ قاضی کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے کیوں کہ قاضی کی حیثیت امیر و والی سے مختلف ہے (۴۶) قاضی کے رتبے، رتبے سے اس کی اہمیت اور منصب قضاء سے اسکے تعلق کی بناء پر قاضی کو واضح ہدایات دی گئی ہیں جن سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ قاضی کا تعلق سماج اور سماج کے لوگوں سے کس حد تک ہونا چاہئے اور قاضی کو اپنی اہمیت برقرار رکھنے نیز اپنے کو موثر ثابت کرنے کے لئے کن امور کو کرنا چاہئے اور کن امور سے اجتناب کرنا چاہئے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ قاضی کو اپنے لئے مجلس قضاء میں خرید وفروخت نہیں کرنا چاہئے اگر غیر مجلس قضاء میں اپنے لئے خرید وفروخت کرے تو کوئی مضائقہ نہیں مگر صحیح یہ ہے کہ نہ وہ مجلس قضاء میں خرید وفروخت کرے نہ غیر مجلس قضاء میں کیوں کہ اس کی وجہ سے لوگ اس کو قضاء کے بارے میں متساہل اور سبک قرار دیں گے اسے چاہئے کہ اس کام کے لئے کسی دوسرے ثقہ آدمی کو مقرر کرے، قاضی کو قرض بھی نہیں لینا چاہئے البتہ اپنے کسی دوست یا ایسے شخص سے لے سکتا ہے جو منصب قضاء قبول کرنے سے پہلے اس کا ساتھی رہا ہو۔ قاضی جنازے کے ساتھ جاسکتا ہے اور مریض کی عیادت کرسکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس مجلس میں زیادہ دیر نہ ٹھہرے اور نہ مقدمے کے فریقوں میں سے

کسی کو اس مجلس میں اپنے ساتھ مقدمے کے بارے میں گفتگو کا موقع نہ دے اسی طرح یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ وہ صرف اس مریض کی عیادت کرسکتا ہے جو مخاصم اور فریق مقدمہ نہ ہو اگر مریض مدعی یا مدعا علیہ ہو تو اس کی عیادت نہیں کرنی چاہئے۔ (۴۷) فتاویٰ عالمگیری میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قاضی کو کسی کی دعوت قبول کرنے سے گریز کرنا چاہئے البتہ دعوت ولیمہ قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر کوئی ایسا شخص اس کو دعوت پر بلاتا ہے جو منصب قضاء پر فائز ہونے سے پہلے نہیں بلاتا تھا تو اس کی دعوت قبول نہیں کرنی چاہئے یا کوئی شخص اس کو قاضی مقرر ہونے سے پہلے مہینے میں ایک بار بلاتا تھا قاضی مقرر ہونے کے بعد مہینے میں دو بار یا ہفتے میں ایک بار بلاتا ہے تو اس کی دعوت بھی قبول نہیں کرنی چاہئے یا ایسا شخص دعوت طعام دیتا ہے جس کا مقدمہ اس کی عدالت میں زیر سماعت ہے تو اس کی بھی دعوت میں نہیں جانا چاہئے۔ اسی طرح کسی کا تحفہ قبول کرنے میں بھی قاضی کو گریز کرنا چاہئے یہ سب چیزیں رشوت کے حکم میں آتی ہیں لہذا قاضی کو اس سے محفوظ رہنا نہایت ضروری ہے (۴۸) کتاب ادب القاضی میں اس طرح کی بے شمار ہدایتیں قاضی سے متعلق ہیں جن سے قاضی کے مراتب مدارج نیز حدود و اختیار کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

مغلیہ سلطنت میں قانون کے ہاتھوں قاضی، بادشاہ، مجسٹریٹ سب اپنی حدود میں رہنے پر مجبور تھے۔ فیصلے مسلم فقہاء کی ہدایت کے مطابق ہوا کرتے تھے لیکن کچھ مثالیں ایسی بھی ملتی ہیں جن کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری جیسی اہم کتاب کے موجود ہوتے ہوئے بھی فقہ اور قانون فقہ سے ہٹ کر بعض امور میں فیصلہ لیا گیا اور ایسا صرف اس لئے ہوا کہ ہندوستان میں خالص شرعی نقطہ نظر سے حکومت کرنا ممکن نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ حکومت کے استحکام کے لئے بعض ضوابط بنائے گئے جو شریعت سے ہٹ کر تھے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی، اسلامی قوانین کی ترویج وتنفیذ عہد فیروز شاہی کے ہندوستان میں، ادارہ علوم اسلامیہ علی گڈھ ۱۹۹۸ء ص ۳۳۔

۲۔ محمد اسحاق بھٹی، برصغیر پاک وہند میں علم فقہ۔ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۳۳

۳۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون جلد دوم، مطبع العام ۱۳۱۰ھ بحوالہ محمد اسحاق بھٹی، حوالہ مذکورہ ص ۳۳

۴۔ فتاویٰ قراخانی، یہ جلال الدین فیروز خلجی (۹۶۔۱۲۹۰) کے عہد کا ایک فقہی مخطوطہ ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے اور مسائل فقہ احناف پر مشتمل ہے اور اس کے مصنف مظفر کرمانی ہیں، محمد اسحٰق بھٹی، حوالہ مذکور ص ۶۱۔۶۰

۵۔ فوائد فیروز شاہی، فیروز شاہ تغلق کے عہد کا فقہی کارنامہ ہے۔ یہ شرف محمد عطاء کی تصنیف ہے اور فیروز شاہ کے نام سے منسوب ہے، ڈاکٹر ظفر الاسلام، سوشیو اکنامکس ڈائمنشن آف فقہ لٹریچر ان میڈیول انڈیا، لاہور ۱۹۹۳ء ص ۹

۶۔ فتاویٰ تاتارخانی، ہندوستان میں جو علمی وفقہی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اس کتاب کو بڑی اہمیت حاصل ہے یہ خاں اعظم تاتارخاں کی ایماء سے معرض وجود میں آئی۔ اس کے مصنف عالم بن علاء انصاری ہیں اس کے مخطوطے ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں جن میں خدابخش لائبریری پٹنہ اور آصفیہ لائبریری حیدرآباد وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی، حوالہ مذکورہ ص ۹

۷۔ فتاویٰ حمادیہ۔ یہ گجرات کاٹھیاواڑ کا ایک تاریخی فقہی مخطوطہ ہے، یہ عربی زبان میں ہے اسے ناگور کے مفتی ابوالفتح رکن الدین نے اپنے صاحب زادے کی مدد سے مرتب کیا، یہ قاضی حماد الدین بن قاضی اکرم کا دور تھا یہ کتاب انہیں کی فرمائش پر لکھی گئی اور انہیں کے نام منسوب کی گئی۔ محمد اسحاق بھٹی حوالہ مذکورہ ص ۱۳۵۔۱۳۲، زبید احمد، دی کانٹری بیوشن آف انڈیا ٹو عربک لٹریچر، پاکستان ۱۹۵۸ء ص ۷۰

۸۔ فتاویٰ ابراہیم شاہی، یہ شہاب الدین احمد بن محمد نظام جیلانی کی تصنیف ہے اور سلطان ابراہیم عادل شاہ کے نام منسوب ہے۔ زبید احمد حوالہ مذکورہ ص ۷۱

۹۔ فتاویٰ بابری، یہ ظہیر الدین بابر (۳۰۔۱۵۲۶) کے عہد کی تصنیف ہے اس کا مصنف شیخ نور الدین خوانی ہے، معارف دار المصنفین اعظم گڈھ جولائی ۱۹۵۰ء ص ۶۹

۱۰۔ فاتویٰ مجمع البرکات، یہ عہد اورنگ زیب کا مشہور فقہی کارنامہ ہے اسکے مولف مفتی ابو البرکات بن حسام الدین دہلوی (۱۶۹۸) ہیں اس کا اصلی نام فتاویٰ عجائب البرکات تھا لیکن جب مولف نے اسے دارالخلافہ دہلی کے ناظم محمد یار خاں کو پیش کیا تو اسنے موجودہ نام رکھنے کا مشورہ دیا اس فتاویٰ کا ماخذ عہد وسطیٰ کے اہم فقہی مجموعے ہیں۔ مخطوطہ ندوۃ العلماء لکھنو۔

۱۱۔ ندوی صدر الحسن، اورنگ زیب ارفتاویٰ عالمگیری کی تدوین، یونیورسٹی پریس، اورنگ آباد ۱۹۸۸ء ص ۳۲

۱۲۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول اردو، مترجم سید امیر علی نئی دہلی ص ۲

۱۳۔ انوار احمد قادری، دی فتاویٰ عالمگیری، جرنل آف دی پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی ۱۹۶۵ء ص ۱۹۰ ۱۴۔ ایضاً ص ۱۹۳ ۱۵۔ ایضاً

۱۶ INA.Rep 367 Harington andfendall,cf,poorun vs
Budlooah:INA Rep.213(1810)Stuart

۱۷۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، فاطمہ بن محمود بنام محمد سالم ۱۹۵۲ء اپیل کیس، صفحات ۸۰۷، رضوی بنت عبداللہ بنام شریفہ بنت محمد بن حامد، پریوی کونسل اپیل نمبر ۶۳، ۱۹۶۰، فیصلہ ۱۹۶۲ء (افریقی ممالک کا کیس) محمڈن لا، آکسفورڈ ۱۹۳۱ء

۱۸۔ انوار احمد قادری، حوالہ مذکورہ ص ۱۹۶۔۱۹۵

۱۹۔ بختاور خاں، مرآۃ العالم بہ تصحیح مقدمہ وحواشی، ساجدہ علوی، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب لاہور ۱۹۷۹ء ص ۳۸۷، مقالات منتخبہ اورینٹل کالج میگزین جلد دوم ۱۹۷۰ء ص ۴۲۲۔۔۴۲۱

۲۰۔ بختاور خاں، مرآۃ العالم۔ص ۳۸۸۔۳۸۷

۲۱۔ محمد کاظم شیرازی، عالمگیر نامہ، کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۶۸ء ص ۱۰۸۷

۲۲۔ مجیب اللہ ندوی، فتاویٰ عالمگیری کے مولفین، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور ۱۹۸۸ء ص ۲۲ ۲۳۔ ایضاً ص ۲۳

۲۴۔ ایس اے طارق، مسلمان قاضیوں کے بے لاگ عدل، نئی دہلی ۱۹۹۰ء ص ۴۱۔۴۰

۲۵۔ ایضاً ص ۲۹۔۲۸

۲۶۔ بلگرامی رفعت، ریلیجیس اینڈ کوسی ریلیجیس ڈپارٹمنٹ آف مغل پیریڈ (۱۷۰۷۔۱۶۵۶) نئی دہلی ۱۹۸۴ء ص ۱۰۳ ۲۷۔ ایضاً ص ۱۰۳

۲۸۔ فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم، اردو، کتاب ادب القاضی باب اول ص ۱۰۹

۲۹۔ اشتیاق حسین قریشی سلطنت دہلی کا مرکزی نظام حکومت، کراچی ۱۹۸۸ء ص ۱۲۱

۳۰۔ ابن حسن، سلطنت مغلیہ کا مرکزی نظام حکومت، نئی دہلی ص ۳۲۶

۳۱۔ فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم ص ۱۰۹

۳۲۔ ایضا ص ۱۲۲۔ دلی سلطنت خصوصا علاء الدین خلجی کے عہد میں قاضی مسجدوں میں عدالت لگایا کرتے تھے لیکن مغل دور حکومت میں وہ عدالتی کارروائی سرکاری عمارتوں میں کرنے لگے۔ اپنے مکانوں پر عدالت کرنے کی ممانعت تھی۔ سلطنت مغلیہ کا مرکزی نظام حکومت ص ۳۲۸

۳۳۔ فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم ص ۱۲۳ ۳۴۔ ایضا ص ۲۵۔۱۲۴ ۳۵۔ ایضا ص ۱۲۵

۳۶۔ سلطنت مغلیہ کا مرکزی نظام حکومت حوالہ مذکورہ ص ۳۲۹۔۳۲۸

۳۷۔ فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم ص ۱۲۵ ۳۸۔ ایضا ص ۱۲۵ ۳۹۔ ایضا

۴۰۔ ایضا ص ۱۲۶

۴۱۔ سلطنت مغلیہ کا مرکزی نظام حکومت، حوالہ مذکورہ ص ۳۲۹، فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم ص ۱۲۶

۴۲۔ ایضا ص ۱۲۶ ۴۳۔ فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم ص ۱۱۲ ۴۴۔ ایضا ص ۱۲۳

۴۵۔ ایضا

۴۶۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو فتاویٰ عالمگیری پنجم، کتاب ادب القاضی کا ساتواں باب ص ۱۲۳

۴۷۔ ایضا کتاب ادب القاضی باب آٹھ ص ۱۳۱ ۴۸۔ ایضا ص ۱۳۴۔۱۳۳